www.urducouncil.nic.in

ستمبر 2023، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔
یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادبِ اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی ؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادبِ اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

اس شمارے میں

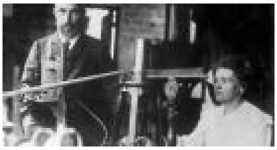

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
یوم اساتذہ		
یوم مدرس	عبدالرزاق دل کھولا پوری	07
ڈاکٹر رادھا کرشنن : معلم وفلسفی	محمد قمر سلیم	08
اساتذہ کا پیغام	مناظر حسن شاہین	11
ہمارے استاد	عمران شجر	12
اساتذہ : علم کے روشن مینار	رازداں شاہد	13
نظمیں		
پیار محبت ہیں بچے	فیض رتلامی	18
اردو میری ماں جیسی ہے	شکیل سہسرامی	19
جنت کی دنیا	عمران عظیم	20
پیار کرو جگ میں سب کو	خالد عبادی	21
ماں	الیاس احمد انصاری شاداب	22
رکشے والے	عبدالمنان صمدی	23
مضامین		
آب وہوا میں تبدیلی اور سیلاب کے اثرات	نسیم سعید	24
میری کیوری	فرحین انجم	27
انٹرویو		
بچوں کو کیریئر گائیڈنس کالم ضرور پڑھنا چاہیے	طٰہٰ نسیم	29
کہانیاں		
لالی کا شیرو	شیریں نیازی	33
رشو بھیا اور چلنے والی اچیئی	سراج عظیم	38
ٹیکہ	سید عرفان فہیم علی	40
مذکر اور مینا	شاداب ابراہیم	43
باز دگر		
کیڑوں اور پرندوں کے فائدے	عقیل الرحمن	47
بچوں کا کتب خانہ		
جلال کے کپڑے ربانو سرتاج	عبدالباری	49
واقفیت عامہ		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	51
صحت		
خوبصورت دانت پرکشش شخصیت کا آئینہ	امتیاز احمد انصاری	52
سائنس نامہ		
فخر ہندوستان خلائی جہاز چندریان : سوم	انیس الحسن صدیقی	55
کہکشاں		
چمن چمن کے پھول		59
ننھے فنکار		
پینٹنگ		60

بچوں کی دنیا

جلد: 11 شمارہ: 09 ستمبر 2023

مدیر : پروفیسر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر : عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/ روپے، سالانہ 100/ روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

پیارے بچو! 5 ستمبر کا دن ہمارے لیے بہت خاص ہے، اس دن اساتذہ کی عظمت اور ان کی اہمیت کا اعتراف کیا جاتا ہے، ان کے لیے ملک بھر میں بہت سے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں، اسکولوں اور کالجوں میں جشن کا ماحول ہوتا ہے، طالب علم اپنے اساتذہ کو تحائف پیش کرتے ہیں اور ان سے دعائیں لیتے ہیں۔ ویسے تو ہر دن اساتذہ کی عزت اور ان کا ادب واحترام ہم پر لازم ہے، لیکن اس دن کو یوم اساتذہ کے لیے اس لیے خاص کیا گیا ہے کیونکہ اسی دن ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ اور ماہر تعلیم

ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن پیدا ہوئے تھے۔ ڈاکٹر راجندر پرساد کے بعد 1962 میں جب یہ ملک کے صدر جمہوریہ منتخب ہوئے تو ان کے دوستوں اور شاگردوں نے ان سے یوم پیدائش منانے کی درخواست کی تو انھوں نے کہا کہ میری پیدائش کے دن کو اگر یوم اساتذہ کے طور پر منایا جائے تو ان کو زیادہ خوشی ہوگی، ان کی اسی خواہش کا احترام کرتے ہوئے 5 ستمبر کو یوم اساتذہ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

بچو! اساتذہ ملک وقوم کا وہ قیمتی سرمایہ ہیں جن پر نسل نو کو نکھارنے اور ان کو سنوارنے کی بڑی اہم اور مشکل ذمے داری ہوتی ہے۔ اساتذہ کا ہماری زندگی میں بہت اہم رول ہوتا ہے، وہ تعلیم کے ساتھ ہماری تربیت بھی کرتے ہیں، اچھی بری باتوں کے متعلق بتاتے ہیں اور ہمارے مستقبل کو سنوارنے کے لیے ہمیشہ متفکر رہتے ہیں، ہماری کامیابی پر خوش اور ناکامی پر افسردہ ہوتے ہیں۔ ان کا ہر قدم اور ان کی ہر بات صرف اور صرف طلبہ کی بھلائی اور ان کی کامیابی کے لیے ہوتی ہے۔ ان کی ڈانٹ اور ان کے غصے میں طالب علم کا روشن مستقبل پوشیدہ ہوتا ہے۔ والدین کے بعد اساتذہ ہی ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان کا طالب علم خوب محنت کرے اور ملک وقوم کا نام روشن کرے۔ اساتذہ کی مثال شمع کی سی ہے کہ وہ خود تو اپنے وجود کو فنا کر دیتی ہے لیکن دوسرے کو روشنی دیتی ہے۔

رہبر بھی یہ ہمدم بھی یہ غم خوار ہمارے
استاد یہ قوموں کے ہیں معمار ہمارے

بچو! تعلیم ہمارا بنیادی حق ہے، ہر کسی کو تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ اپنے روشن مستقبل کی فکر ضروری ہے، اپنا مقصد متعین کیجیے اور جی جان سے اس کے حصول میں لگ جائیے، تعلیم کے بغیر مہذب انسان اور سماج کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیم ہی وہ واحد کنجی ہے جس سے آپ کامیابی وکامرانی کی منزلیں بآسانی طے کر سکتے ہیں۔ اس لیے اپنے اساتذہ کا احترام کیجیے، ان کی باتوں پر عمل کیجیے، ان کی سختی کو برداشت کیجیے، اپنے وقت کا صحیح استعمال کیجیے، لایعنی اور بے کار چیزوں میں اپنا وقت برباد مت کیجیے، ان کے دکھائے ہوئے راستے پر چل کر ہی آپ کامیاب وکامران ہوں گے۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

'بچوں کی دنیا' اگست کا شمارہ موصول ہوا۔ پڑھ کر قلبی مسرت حاصل ہوئی۔ تمام مضامین قابل مطالعہ اور شاندار ہیں، خصوصاً آزادی کا دن آیا؛ خون بہا کر وطن یہ ملا ہے؛ یہ ہے اپنا ہندوستان؛ جس نے گلابی شہر نہیں دیکھا؛ لیچی: پیاس کو کم کرنے والا پھل؛ مضمون نے بہت متاثر کیا۔ اس رسالے کے ذریعے بچوں کو آزادی کی اہمیت بتائی گئی ہے جو قابل تعریف ہے۔ بچوں کی خوبصورت پینٹنگز بہت ہی عمدہ ہیں۔ بچوں کی دنیا کی تخلیق کے لیے اس کے سبھی اراکین مدیران مبارکباد کے مستحق ہیں۔

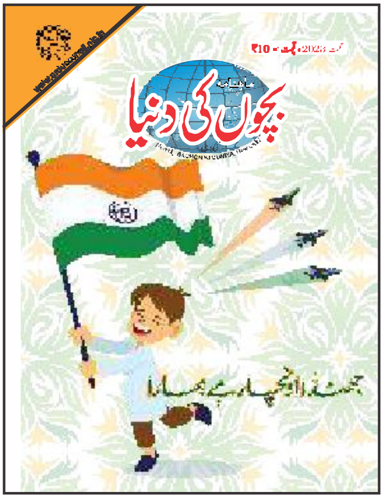

افسانہ حسن؛ بھجن پورا؛ دہلی – 110053

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جولائی کا شمارہ دستیاب ہوا۔ شمارے میں رونق جمال کا مضمون 'ہندوستان میں عہدوں کی اہمیت' پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ نہایت شاندار اور معلومات سے بھرپور مضمون ہے۔ چھوٹے تو چھوٹے بڑے بھی فیضیاب ہو رہے

ہیں۔ 70 سال کی عمر میں مجھے پتہ چلا کہ میں ملک میں 27 نمبر کا باشندہ ہوں۔ آپ نے بھی مضمون کو اہتمام کے ساتھ اول نمبر پر شائع کر کے مضمون کی اہمیت کو اجاگر کر دیا ہے۔ میں بچوں کی دنیا کے ذریعے رونق جمال کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ ایسے معلوماتی مضامین لکھتے رہیں۔

عبدالرزاق دل کھولاپوری، کھولاپور، تحصیل بھاتکولی، ضلع امراوتی، مہاراشٹر

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جولائی 2023 نظرنواز ہوا، اداریے سے ننھے فنکار تک تمام مضامین، نظمیں، کہانیاں بے مثال ہیں۔ ہم نے 'بچوں کی دنیا' پچھلے سال 2022 جولائی سے شروع کیا۔ تب سے آج تک بلا ناغہ پڑھ رہے ہیں۔ پچھلے ایک سال میں رسالے نے ہم کو اتنا متاثر کیا کہ اب اسے پڑھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جولائی کے شمارے میں شامل مضمون 'ہندوستان میں عہدوں کی اہمیت' جسے رونق جمال نے لکھا ہے۔ ہمیں ایک سے ستائیسویں عہدوں کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ 'دوستی اور اس کے تقاضے' جسے وسیم سعید نے تحریر کیا ہے۔ دوستی رب کائنات کا انمول تحفہ ہے۔ اس کے مطالعے سے دوستی میں مضبوطی آئے گی۔ ڈراما 'آج کا کنبھ کرن' بھی عمدہ ہے۔ 'ابو کی کہانی' میں جھوٹ بولنے پر تاکید کی گئی ہے۔ 'شرارت سے توبہ' یہ کہانی والدین

گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول، حریرپورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

کے لیے سبق آموز ہے، کہ والدین کو اپنے بچوں کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے بجائے انھیں تنبیہ کرنی چاہیے تاکہ بچے آئندہ کسی مصیبت میں نہ پھنسیں۔ ان کے علاوہ دیگر تخلیقات بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

ثمینہ بانو محمد افضال، عبدالقادر صدیقی گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول، برہانپور، ایم پی

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' یہ رسالہ نہایت آسان انداز میں بچوں کی ذہنی صلاحیت کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس میں شائع ہونے والی کہانیاں بھی آسان اور بچوں کی اخلاقی تربیت میں مددگار ہیں۔ معلوماتی مواد بھی کافی دلچسپ انداز میں شامل کیا گیا ہے۔

بشن چودھری، منڈی گوبند گڑھ، پنجاب

'بچوں کی دنیا' اگست کا شمارہ بروقت ملا، جسے پڑھ کر دل کو مسرت حاصل ہوئی۔ اس شمارے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں بچوں سے متعلق بہت اہم معلومات کو یکجا کردیا گیا ہے جسے پڑھ کر بچے کچھ نیا سیکھتے ہیں، اور ان میں بھی کچھ نیا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اداریے میں آزادی سے متعلق مختصر مگر بہت اہم گفتگو کی گئی ہے۔ تمام مضامین بہت عمدہ اور قابل مطالعہ ہیں۔ خصوصاً 'ہمارا قومی پرچم' اور 'آزادی'۔ ان مضامین میں وطن سے محبت کے جذبے کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بچوں کو آزادی کی تاریخ اور مجاہدین آزادی کی قربانیوں کے سلسلے میں بتایا گیا ہے۔ 'پانی سے زندگی ہے' مضمون میں بچوں کو پانی کی اہمیت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ پانی قدرت کا انمول تحفہ ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے، اسے برباد کرنے سے اور ہونے سے بچانا ہم سب کی ذمے داری ہے۔ اس کے علاوہ 'ساحل اور سمندر سے باتیں'، 'انمول تحفہ'، 'نیکی کا صلہ' بھی خوبصورت تخلیقات ہیں۔ عاکف سنبھلی کا انٹرویو طویل ضرور ہے لیکن دلچسپ ہے، انھوں نے اپنی زندگی کی تقریباً ساری باتوں کو بہت ہی اچھے انداز میں بیان کردیا ہے، جسے پڑھ کر بچوں میں بھی حوصلہ پیدا ہوتا ہے، انٹرویو کا سلسلہ بہت اہم ہے اس سے ہم ادیب اطفال سے واقف ہوتے ہیں۔ بچوں کی خوبصورت فنکاری بھی قابل تعریف ہے۔ اس خوبصورت اور دلکش رسالے کے لیے میں مدیر شیخ عقیل احمد اور نائب مدیر عبدالباری کو مبارکباد پیش کرتی ہوں کہ انھوں نے اتنا اچھا اور معیاری رسالہ ہم لوگوں کے لیے فراہم کیا۔

عائشہ خورشید، موہن پوری موجپور، دہلی۔ 110053

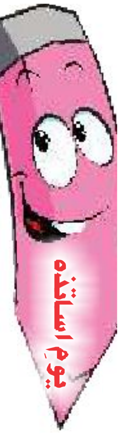

یومِ مدرس

عبدالرزاق دل کھولاپوری

درجات کا ان کے، ہر دل میں احساس جگایا کرتے ہیں
ہم یومِ مدرس مکتب میں ہر سال منایا کرتے ہیں

ہے پانچ ستمبر اے بچو Birth Day رادھا کرشنن کا
جو فلاسفر ماہر، عالم تھا علم و ادب کے مسکن کا
ہم ان کے جنم دن کو Teacher Day کہہ کے منایا کرتے ہیں
ہم یومِ مدرس مکتب میں ہر سال منایا کرتے ہیں

تھے آپ پروفیسر قابل اعلیٰ درجے کے مقرر بھی
اور ملک و ملت کے رہبر، ہمدرد، مہرباں ناصر بھی
تاریخ انھیں دہراتی ہے جو فرض نبھایا کرتے ہیں
ہم یومِ مدرس مکتب میں ہر سال منایا کرتے ہیں

مشکور ہیں ہم استادوں کے استاد ہمارے رہبر ہیں
بھاتا ہے خلوص ان کا سب کو گویا یہ خلوص کے پیکر ہیں
یہ علم و ہنر، نیک و بد کی پہچان کرایا کرتے ہیں
ہم یومِ مدرس مکتب میں ہر سال منایا کرتے ہیں

جائیں گے کہیں بھی ہم لیکن بھولیں گے نہیں استادوں کو
سینے سے لگائے رکھیں گے تاعمر ہم ان کی باتوں کو
دل اپنے سبھی استادوں کی روداد سنایا کرتے ہیں
ہم یومِ مدرس مکتب میں ہر سال منایا کرتے ہیں

کہنا تھا یہ رادھا کرشنن کا استادوں کو محبوب رکھو
یہ میرا جنم دن اب ان کے ہی پیشے سے منسوب کرو
دل سب مل جل کر تب سے ہی یہ رسم نبھایا کرتے ہیں
ہم یومِ مدرس مکتب میں ہر سال منایا کرتے ہیں

(تعارف دسمبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Abdur Razzaq Dil Kholapuri
Dil Bharti House
Kholapur, Taluka Bhatkuli
Distt.: Amravati- 444802 (Maharashtra)
Mob.: 7304485318

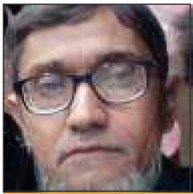

محمد قمر سلیم

ڈاکٹر رادھا کرشنن : معلم و فلسفی

ڈاکٹر رادھا کرشنن کی پیدائش 5 ستمبر 1888 میں مدراس کے قریب تِھروتّنی میں ہوئی تھی۔ایک ٹیچر ہونے کے ناطے ان کی یاد میں ہر سال 5 ستمبر ’ٹیچرس ڈے‘ کی شکل میں منایا جاتا ہے۔ سَرو پلّی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے 13 مئی 1962 سے 12 مئی 1967 تک ہندوستان کے دوسرے صدر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیے۔وہ صرف ایک سیاست داں اور ایک معلم ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک عظیم مفکرِ تعلیم بھی تھے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن تقریباً چالیس سال تک تعلیمی سرگرمیوں سے جڑے رہے۔اپنے خیالات اور اپنے فلسفے سے ملک کے نوجوانوں، طلبا کو روشناس کرایا۔کتنے فخر کی بات ہے کہ وہ ایک معلم کے عہدے سے ملک کے سب سے اعلیٰ منصب یعنی ہندوستان کے صدر کے عہدے پر پہنچے۔معلم قوم کا معمار ہوتا ہے۔یہ ایک معلم کی ہی خوبی ہے کہ وہ معصوم نونہالوں کی تمام تر صلاحیتوں کو اجاگر کرکے ملک کا قیمتی اثاثہ بناتا ہے۔معلم ہی قوم کے ان بچوں کے مستقبل کو بناتا اور سنوارتا ہے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ایک معلم کی حیثیت سے مختلف ہندوستانی اور بیرونی جامعات میں تعلیمی اور تدریسی کام انجام دیے ہیں۔ان میں مدراس، میسور، کولکاتا، بنارس، آکسفورڈ، شکاگو جامعات اہم ہیں۔انھیں 1948 میں یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کا چیرمین مقرر کیا گیا۔انھوں نے روس میں ہندوستانی سفیر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔وہ 1952 میں ہندوستان کے پہلے نائب صدر بنے اور 1962 میں ہندوستان کے دوسرے صدر بنے۔جس وقت وہ صدرِ مملکت تھے اس وقت ہندوستان کے حالات بہت پیچیدہ تھے۔اسی زمانے میں پاکستان سے 1962 اور 1965 میں جنگ ہوئی تھی۔چین کے ساتھ بھی کافی اختلافات بڑھ گئے تھے۔اسی مدت میں پنڈت جواہر لال نہرو اور لال بہادر شاستری جی کا انتقال ہوا تھا۔ان کے بعد ملک کی باگ ڈور مسز اندرا گاندھی نے سنبھالی جو اس وقت سیاست کے میدان میں نئی تھیں۔اندرونی اور بیرونی سطح پر سیاسی بحران

کی وجہ سے معاشی بحران بھی پیدا ہوگیا تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا دور سیاسی اور معاشی بحران کا دور تھا ایسے حالات میں ایک معمر، عاقل اور دوراندیش انسان کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ہندوستان کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اس وقت ایک عظیم سیاست داں ہندوستان میں موجود تھا جس کی عقل وفہم، سوجھ بوجھ، دانائی اور باوقار شخصیت کی بنا پر ہندوستان کے عوام بہ حسن وخوبی اس بحران سے نکل گئے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن کو 1975 میں 'ٹیمپلیٹن پرائز' (Templeton Prize) سے نوازا گیا۔ اس انعام کو لینے والے وہ پہلے غیر عیسائی تھے۔ 1931 میں 'نائٹ ہڈ' (Knighthood) اور 1954 میں انھیں 'بھارت رتن' سے سرفراز کیا گیا۔ 17 اپریل 1975 کو یہ عظیم شخص اس دنیائے فانی سے کوچ کرگیا۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن صرف نام کے معلم نہیں تھے بلکہ وہ اپنے خیالات اور فلسفے کو اپنی تحریروں کے ذریعے بھی منظر عام پر لائے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں 'اِنڈین فِلاسفی' (Indian Philosophy) کی دو جلدیں، بالترتیب 1923 اور 1927 میں شائع ہوئیں، 'دی فِلاسفی آف دی اُپنشاڈ' (The Philosophy of Upnishad) 1924، 'دی ہندو وِیو آف لائف' (The Hindu View of Life) 1929 'آئیڈِیل وِیو آف لائف' (Ideal View of Life) 1929 'ایسٹرن اینڈ ویسٹرن تھاٹ' (Eastern Western Thought) 1939 'کنٹمپریری اِنڈین فِلاسفی' (Contemporary Indian Philosophy) 1950 'ایسٹ اینڈ ویسٹ: سَم رِفلیکشنس' (East and West: Some Reflections) 1956 'رِلیجَن اِن اے چینجنگ وَرلڈ' (Religion in A Changing World) 1967 اہم ہیں۔ انھوں نے پالی اور سنسکرت سے انگریزی میں ہندوستانی فلسفے کا ترجمہ بھی کیا۔

اپنی تصانیف کے توسط سے ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ہندوستانی فلسفے کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے ہندوستانی فلسفے کا موازنہ عالمی اور خاص طور سے مغربی فلسفے سے کیا۔ مغرب میں ہندوستانی فلسفے کے تئیں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ انھوں نے ہندوستانی فلسفے کو نہ صرف دنیا میں پھیلایا بلکہ اسے مغربی فلسفے کے برابر لا کھڑا کیا۔ عام طور سے مغرب میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ہندوستانی فلسفہ اور مذہب لوگوں میں حقیقتوں کا سامنا کرنے کی صلاحیتوں کو کم کرتے ہیں۔ زندگی کے مسائل سے دور لے جاتے ہیں۔ ہندوستانی لوگوں میں زندگی کے چیلنجز کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ہندوستانی فلسفہ اور مذہب لوگوں کو فقیرانہ زندگی گزارنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف انھوں

> عام طور سے مغرب میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ہندوستانی فلسفہ اورمذہب لوگوں میں حقیقتوں کا سامنا کرنے کی صلاحیتوں کو کم کرتے ہیں۔ زندگی کے مسائل سے دور لے جاتے ہیں۔ ہندوستانی لوگوں میں زندگی کے چیلنجز کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ہندوستانی فلسفہ اور مذہب لوگوں کو فقیرانہ زندگی گزارنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف انھوں نے لکھا کہ ہندوستانیوں میں زندگی کی حقیقتوں، تلخیوں اور دنیاوی مسائل کا سامنا اور ان کو حل کرنے کی اتنی ہی صلاحیت ہے جتنی کہ ایک مغربی ملک کے باشندے میں ہوسکتی ہے۔

نے لکھا کہ ہندوستانیوں میں زندگی کی حقیقتوں، تلخیوں اور دنیاوی مسائل کا سامنا اور ان کو حل کرنے کی اتنی ہی صلاحیت ہے جتنی کہ ایک مغربی ملک کے باشندے میں ہوسکتی ہے۔

ہندوستانی فلسفہ زندگی کو سمجھنے کی صلاحیت، ہندوستانی سماج کی قدروں کی اہمیت، بے مثال پیار ومحبت، غریبوں سے ہمدردی کا جذبہ، برداشت کا مادہ جیسی اہم خوبیوں کو اجاگر کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہندوستانی فلسفہ انسانیت کے جذبے، وحدانیت اور خیالات کی پختگی پر زور دیتا ہے جس کا مغرب میں فقدان ہے۔ ساتھ ہی ہندوستانی فلسفہ آزادی، مساوات، انصاف اور بھائی چارے کے جذبے کی تلقین کرتا ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کہا تھا کہ انسان میں اچھے خیالات کا ہونا لازمی ہے، اس کے اچھے خیالات خدا کے احکام کی عکاسی کرتے ہیں۔ انسان کے خیالات حقیقت پر مبنی ہونے چاہئیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم انسانیت کی خدمت کریں۔ انسانیت کی خدمت مالکِ دو جہاں کی خدمت ہے۔ سماج میں رہنے والے مفلس اور بے سہارا لوگوں کی خدمت کر کے مالکِ حقیقی کی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

آج کے دور میں سماج میں جہاں ایک دوسرے سے نفرت، خدا کے خوف سے بے پروا، مفاد پرستی، دنیاوی چیزوں سے بے پناہ لگاؤ، گرتی ہوئی قدریں، وحشی پن وغیرہ جیسی خصوصیات ہیں وہاں ڈاکٹر رادھا کرشنن کے فلسفے کی ہمیں قدم قدم پر ضرورت ہے۔ ان کی فکر آج کے ڈگمگاتے نوجوان اور طالب علم کے لیے مشعلِ راہ بن سکتی ہے اور ہم اپنے کھوئے ہوئے اثاثے کو پھر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کے خیالات کو اپنی زندگی کا اصول بنا کر ایک عظیم معلم کو خراجِ عقیدت پیش کر سکتے ہیں۔

(تعارف جنوری 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Mohd Qamar Saleem
A 47, Zakir Bagh
Okhla Road,
New Delhi-110025.
M. 9322645061

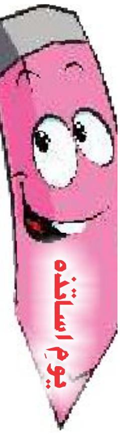

اساتذہ کا پیغام طلبا کے نام

مناظر حسن شاہین

مرے عزیزو!

زمانہ آواز دے رہا ہے
تمھیں یہ دھرتی پکارتی ہے
یہ ہم نے مانا رہِ طلب میں
قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں

مگر یقیں ہے

تمھارے عزمِ جواں کے آگے
نہ ایک پل بھی ٹھہر سکیں گے
عقابی نظریں ہوں سمتِ منزل
ملے گا طوفان میں بھی ساحل
علم ارادے کا لے کر اٹھو
چراغِ علم و عمل جلاؤ
کہ نور سے جس کے ذرّہ ذرّہ
وطن کا اپنے چمک اٹھے گا

مرے عزیزو!

چمکتے سورج، دمکتے تارو!
تمھاری کاوش جو راس آئے
وطن کی تقدیر جگمگائے

(تعارف جنوری 2022 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Manazir Hasan Shaheen
Makan No.: 60, Millat Colony
Gaya- 823001 (Bihar)
Mob.: 9661214111

عمران شجر

ہمارے استاد

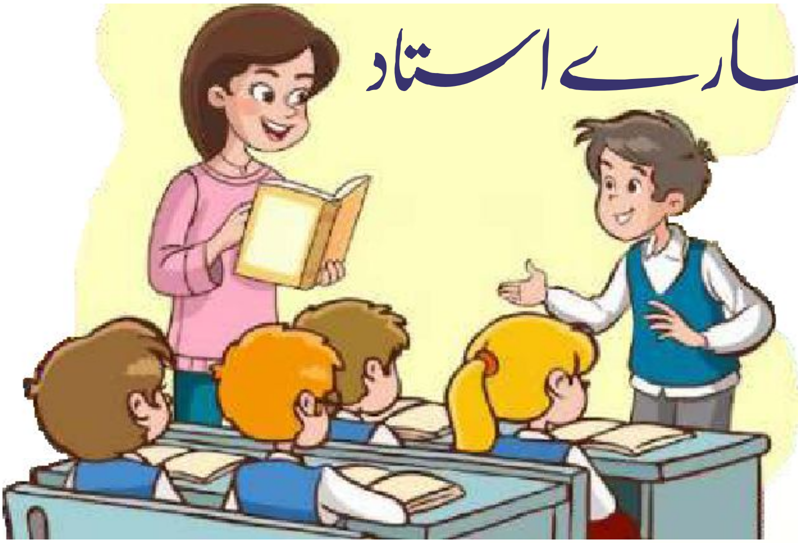

علم و عمل کی عظمت استاد ہیں ہمارے
معمارِ قوم و ملت استاد ہیں ہمارے

روشن ہے ان کے دم سے دنیا ہماری ہر دم
کرتے ہیں سچی الفت استاد ہیں ہمارے

آدابِ گفتگو سے آراستہ کیا ہے
بخشی ہے جس نے رفعت استاد ہیں ہمارے

جینے کا طور بخشا آداب زندگی دی
تہذیب اور ثقافت استاد ہیں ہمارے

اعلیٰ مقام ان کا اور ہے عظیم رتبہ
اپنے سروں پہ رحمت استاد ہیں ہمارے

ہیں میرِ کارواں کے علم و ہنر میں یکتا
سب کے دلوں کی راحت استاد ہیں ہمارے

نقشِ قدم پہ ان کے، تو اے خدا چلانا
صدق و صفا کی عظمت استاد ہیں ہمارے

اچھے برے کی ہم کو ان سے سمجھ ملی ہے
گویا عظیم دولت استاد ہیں ہمارے

تعلیم و تربیت سے ہم کو سنوارتے ہیں
کردار کی یہ عظمت استاد ہیں ہمارے

لڑنا مصیبتوں سے جس نے ہمیں سکھایا
سچ ہے کہ عزم و ہمت استاد ہیں ہمارے

تم جانتے نہیں ہو اس بات کو شجر کیا؟
رب کی عظیم نعمت استاد ہیں ہمارے

■

Imran Shajar
Moallaim, Nagar Parishad
Urdu High School,Anjangaon
Surji (Maharashtra)

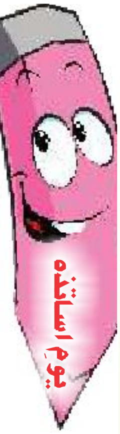

اساتذہ: علم کے روشن مینار

رازداں شاھد

بچپن کے امتحانوں میں ایک سوال کثرت سے آتا تھا کہ 'اپنے پسندیدہ استاد' پر مضمون قلم بند کریں مگر اس وقت استاد کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں تھا بلکہ یقین مانیں اس وقت تو استاد کوئی اچھی مخلوق بھی معلوم نہیں پڑتا تھا۔ جب استاد کے صحیح معنی سمجھ آنے لگے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ کسی استاد کی شان، عظمت کو بیان کرنے کے لیے الفاظ کا ذخیرہ بے معنی ہے۔ استاد کی ہستی کو الفاظ کے موتیوں میں پرو کے لکھنا انتہائی دشوار ہے مگر میں آج یہ جسارت کر رہا ہوں اور اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ کے ساتھ استاد کی عظمت کو بیان کرنے کی ایک ناکام کوشش کر رہا ہوں۔

تعلیم میرے نزدیک تہذیب کا دوسرا نام ہے اور تربیت اسی تہذیب کو سکھانے کا ایک وسیلہ ہے۔ استاد ہی وہ شخصیت ہے جو تعلیم و تربیت کا محور و منبع ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اگرچہ استادوں کی تربیت کو استادوں کی تعلیم کہا جانے لگا ہے مگر ہمارا طریقۂ کار اور بڑی حد تک ہمارا اندازِ فکر بدستور ہے۔ کسی بھی انسان کی کامیابی کے پیچھے اس کے استاد کی تربیت کارفرما ہوتی ہے۔ اساتذہ انسان کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انسان کی زندگی استاد کے بغیر ایسی ہی ہے جیسے ماں کے بغیر گھر۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھیں زندگی میں بہترین اساتذہ میسر ہوتے ہیں۔ ایک نوخیز بچے سے لے کر کامیاب انسان تک کا سفر استاد کی کارکردگیوں کی مرہونِ منت ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح دنیا کے عظیم استادوں نے اپنے شاگردوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ استاد کی تعظیم ہم پر فرض ہے اور کیوں نہ ہو، استاد ہی کی محنت کی وجہ سے انسان بلندیوں تک پہنچتا ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو انسانی تاریخ اساتذہ کے احترام و تکریم کی سنہری داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیا بادشاہ، کیا ولی، کیا صحابہ کرام سبھی نے اپنے اساتذہ کی تعظیم و تکریم کی بہترین مثالیں رقم کیں۔

مشہور قول ہے کہ ''جس نے معالج کی عزت نہ کی، وہ شفا سے محروم رہا اور جس نے استاد کی عزت نہ کی، وہ علم سے محروم رہ گیا۔'' استاد کی بے ادبی اور ناراضگی علم کے نور اور برکت کو زائل کر دیتی ہے۔ اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی چوں چرا نہیں کہ وہی قوم عروج و ارتقا حاصل کرتی ہے جو اساتذہ کرام کی عزت و تکریم کرتی ہے، اور جب تک معاشرے میں اساتذہ کرام کا احترام ہوتا رہے گا تب تک معاشرہ ترقی پاتا رہے گا، لیکن جب اساتذہ کرام کا احترام اور تقدس ختم ہو جائے گا تو وہ معاشرہ زوال پذیر ہو جائے گا۔ اساتذہ تو علم کے روشن مینار ہیں۔ اگر اس دنیا میں استاد نہ ہوتے تو یہ دنیا جہالت کی اندھیر نگری ہوتی۔ یہ تو استاد کا احسان ہے جنھوں نے ہمیں علم کے نور سے منور کر کے جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر معاشرے میں زندگی گزارنے کے گر اور آداب سکھائے۔ استاد علم کی منھ بولتی تصویر اور اخلاق و آداب کا نمونہ ہوتا ہے اور اس کی ذات معاشرے میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ استاد اگر حقیقی معنوں میں استاد ہو تو اپنے

شاگردوں کی زندگیاں بدل دینے کے ساتھ، قوم میں بھی صالح انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ استاد کی عظمت اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ربِ ذوالجلال خود سب سے پہلے اور بڑے معلم ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: (ترجمہ و مفہوم) ”پڑھ، تیرا رب بہت بزرگی والا ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے ایک لفظ سکھایا وہ میرا استاد ہے اور میں اس کا غلام ہوں چاہے تو وہ مجھ کو آزاد کر دے یا رکھ لے۔ استاد اور شاگرد کا تعلق علم کی بنیاد پر ہوتا ہے، شاگرد اپنے علوم کو استاد سے لیتا ہے گویا استاد ایک دریا ہے جس میں علم کا پانی موجیں مارتا ہے اور شاگرد اس دریا میں غوطے لگا کر اس کی گہرائی سے موتی ہیرے اور جواہرات نکال کر اپنے دامن میں بھرتا ہے۔ یا یوں سمجھیں کہ استاد اور شاگرد کی مثال ایک چمنستان کی سی ہے۔ استاد چمن کا روح رواں ہوتا ہے۔ جس سے چمن کی رونق برقرار رہتی ہے اور شاگرد اس چمن کا ایک پھول ہوتا ہے۔ جس سے خوشبو پھیلتی ہے اور فضا علم کی خوشبو سے معطر ہو کر قلب و جگر کو سکون اور ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ چمن کی آبادی پھول سے ہوتی ہے اور پھول کی اہمیت چمن کی مرہون منت ہے۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی پہچان ہوتے ہیں۔ اس طرح شاگرد استاد کی پہچان اور اس کی قابلیت کے عملی جوہر کا مظہر ہوتا ہے۔

تاریخ میں بڑی بڑی تبدیلیاں اساتذہ کی وجہ سے آئی ہیں یہ ان کے کردار ہی تھے جو تبدیلیوں کے باعث بنے۔ ایک بندے کا وژن ہوتا ہے اور پورا زمانہ بدل جاتا ہے۔ اس کی ایک متاثر کن شخصیت ہوتی ہے۔ اس میں اخلاقیات ہوتی ہیں۔ اس میں قوت برداشت ہوتی ہے۔ اس میں ظرف ہوتا ہے۔ اس کے پاس علم ہوتا ہے۔ اپنے مضامین پر عبور ہوتا ہے۔ اس کو انسانی نفسیات کا پتا ہوتا ہے۔ وہ انسانی مزاج سے

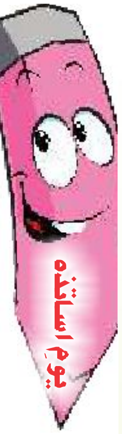

واقف ہوتا ہے۔اسے علم ہوتا ہے کہ کن بچوں کو دیکھنے سے سمجھ آتی ہے، کن کو سننے سے سمجھ آتی ہے اور کن کو محسوس کرنے سے سمجھ آتی ہے۔ اس کی شخصیت سے لوگوں کو فائدہ ملتا ہے۔ استاد ایک اچھا موٹیویٹر اور کونسلر ہوتا ہے اس کی باتیں سن کر لوگوں کی سوچ میں تبدیلی آتی ہے اور وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہے۔

کامیاب ترین استاد وہ ہے جو اپنے علم پر پہلے خود عمل کرے تبھی طلبہ اس کی باتوں پر عمل کریں گے، کسی دانا کا قول ہے کہ عالم جب اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو اس کی نصیحتیں دلوں سے اس طرح پھسل جاتی ہیں جس طرح سخت چٹان سے بارش کے قطرے پھسل جاتے ہیں۔ استاد کو حسن اخلاق کا پیکر ہونا چاہیے تاکہ ذہین وغیر ذہین تمام طلبہ اس سے استفادہ کرسکیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ سخت رویے والے اساتذہ کے غیر ذہین شاگرد ناکامی ہی کی طرف گرتے جاتے ہیں جس کی بڑی وجہ استاد کے سامنے اپنا مافی الضمیر (یعنی دلی بات) نہ کہہ سکنا اور سوال کرنے سے ڈرتے رہنا بھی ہوتی ہے۔ وقت کی پابندی کا سب سے بڑا عملی نمونہ ایک استاد کو ہی ہونا چاہیے، کیونکہ جس قدر وہ پابند وقت ہوگا، اس کے شاگرد بھی وقت کی پابندی کریں گے، پھر یہی پابند وقت طالب علم عملی زندگی میں بھی وقت کے قدردان ثابت ہوں گے۔ انسانی زندگی میں نشیب و فراز (اتار چڑھاؤ) آتے رہتے ہیں، پریشانی، بیماری اور ضروریاتِ زندگی کے معاملات ہر کسی کے ساتھ ہوتے ہیں، لیکن طبیعت کی ہلکی پھلکی ناسازی اور ایسے کام جو کوئی دوسرا بھی کرسکتا ہے ان کی وجہ سے چھٹی کرلینا یا درسگاہ دیر سے پہنچنا مناسب نہیں، ایک اچھے استاد کے پیشِ نظر قوم کا مستقبل ہوتا ہے جو ایک چھٹی کیا ذرا سی تاخیر سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ جس فن اور علم میں مہارت ہو وہی پڑھائے، خود سیکھنے کے لیے بچوں پر تجربات نہ کرے بلکہ پہلے خود اچھی طرح پڑھے، سیکھے، سمجھے پھر بچّوں کو پڑھائے۔ بے شک معلّم کا رُتبہ بہت عظیم ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر معلم ہر پہلو سے کامل و اکمل ہو، سیکھنے سکھانے کا عمل ساری زندگی جاری رہتا ہے اس لیے ایک استاد کو چاہیے کہ اپنی کمی اور کوتاہی کو اعلیٰ ظرفی سے تسلیم کرے اور اس پر قابو پانے کی کوشش کرے۔ اساتذہ کی اوّلین کوشش اپنے شاگردوں کی کامیابی ہونی چاہیے اور اس کے لیے اساتذہ کو بچوں کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم میں بہت محنت کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بچّوں کی تعلیمی بنیادیں ہیں۔ استاد کا فرض بنتا ہے کہ جو بھی سبق پڑھانا ہے اوّلاً اچھی طرح مطالعہ کرے، سمجھے اور سمجھانے کے لیے تیاری کرے، جس قدر ہو سکے آسان انداز میں سمجھائے، سبق کو آسان بنانے کے لیے مثالیں دے اور طلبہ کی ذِہنی سطح کا لازماً خیال رکھے۔

استاد کو چاہیے کہ صرف پڑھانے کی حد تک نہ رہے بلکہ بچوں کو سیکھنے کے عمل میں مدد دینے کے لیے نصابی اور غیر نصابی دونوں طریقے استعمال کرے۔ استاد کا کردار اور ذمے داری صرف تعلیمی ادارے ہی تک محدود نہیں ہوتی، طالب علم استاد کا لگایا ہوا وہ پودا ہوتا ہے جس کی حفاظت و پرورش کرنا، دنیا کے سرد وگرم سے بچانا، آبیاری کرنا، نگہداشت کرنا اور پروان چڑھانا استاد کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ طالبِ علم کی درسگاہ کے علاوہ کی مصروفیات ومشاغل سے بھی حتی الامکان واقفیت رکھے تاکہ اسے گھر کا کام (Homework) دینے اور اسباق وغیرہ کی تیاری نہ ہونے یا کمی ہونے کی صورت میں مناسب انداز میں نصیحت کرسکے، طلبہ کو صرف کتاب پڑھا دینا اور نصاب مکمل کروا دینا حقیقی کامیابی نہیں، اصل کامیابی یہ ہے کہ نصاب کے ساتھ ساتھ کتاب زندگی بھی پڑھائے، دنیا میں جینے اور کامیاب رہنے کے اُصول بھی سکھائے۔ بچے کی تربیت میں والدین اور استاد دونوں ہی کا اہم حصّہ ہوتا ہے، استاد کو چاہیے کہ کبھی بھی یہ نہ

سوچے کہ یہ میرے پاس پڑھنے آئے ہیں، کتاب پڑھاؤں، سبق سنوں اور واپس بھیج دوں، تربیت ماں باپ خود کریں۔ بچوں کی تربیت کے ہر پہلو کو ملحوظِ خاطر رکھنے کے لیے مرد اَساتِذہ بچوں کے والد اور خواتین ٹیچرز والدہ سے رابطہ رکھیں اور ان کی خامیوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ ہر بات کی شکایت کرنے کے بجائے خامیوں کو دور کرنے کی سچی نیت سے مشاورت کریں اور بچوں میں علم حاصل کرنے کی لگن پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ ایک اچھا استاد اپنے طالب علموں کے دلوں میں اپنے مقصد اور نصب العین سے لگن پیدا کرتا ہے اور ان کو بے کار مشاغل سے اجتناب کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک کامیاب استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو محنت کا عادی بنائے اور انھیں سمجھائے کہ کاہلی، سستی، وقت کے زیاں اور کام کو ٹالنے کی عادت سے تعلیمی معیار گرتا ہے جو ایک قوم کا مجموعی نقصان ہے۔ اچھے استاد کے اوصاف میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنے طلبہ کو پریشانی اور ناکامی کی صورت میں حوصلہ دے اور مزید محنت سے کام لینے کی نصیحت کرے اور اچھے مشورے دے۔ طالب علم کو اس کی ذہنی استعداد، میلانِ طبع اور شوق و لگن کے اعتبار سے نیک مشورہ و راہنمائی دینا بھی ایک اچھے استاد کے اعلیٰ ترین اوصاف بلکہ ذمے داریوں میں سے ہے۔

آج اساتذہ کی حالت ضرور بہتر ہوئی ہے، ان کی ہر طرح مادی ترقی بھی ہوئی ہے مگر یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے، اس کا دوسرا پہلو اتنا ہی دھندلا اور قابل غور ہے، جو ہمیں بتاتا ہے کہ استاد و شاگرد کا مستحکم رشتہ جو پہلے تھا وہ اب کافی کمزور ہو چکا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب استاد کو شخصیت ساز اور معمارِ قوم تصور کیا جاتا تھا اور حاکمِ وقت بھی اپنے استاد کے احترام میں سر جھکا دیتے تھے۔ سکندرِ اعظم کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ اپنے استاد ارسطو کے ساتھ سفر کر رہا تھا، راستے میں ایک دریا

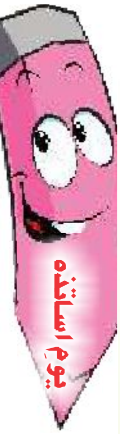

آیا تو دونوں میں یہ مشورہ ہوا کہ پہلے پانی میں اتر کر کون اس کی گہرائی کا اندازہ لگائے۔ سکندر اعظم کی ضد تھی کہ دریا کی گہرائی ناپنے کا اسے موقع دیا جائے۔ ارسطو نے سکندر کو اس سے باز رکھتے ہوئے کہا کہ میں تمہارا استاد ہوں، تمھیں میری بات ماننی ہوگی۔ پانی میں پہلے میں اتروں گا۔ سکندر نے برجستہ جواب دیا کہ استاذ محترم اس عمل میں آپ کی جان بھی جاسکتی ہے۔ لہٰذا میں ہرگز یہ گوارہ نہیں کروں گا کہ دنیا آپ جیسے لائق استاد سے محروم ہوجائے۔ کیونکہ سیکڑوں سکندر مل کر بھی ایک ارسطو پیدا نہیں کرسکتے، جب کہ ایک ارسطو سیکڑوں کیا ہزاروں سکندر پیدا کرسکتا ہے۔ سکندر کا یہ قول بھی بہت مشہور ہے کہ میرے والدین نے مجھے آسمان سے زمین پر اتارا جب کہ میرے استاد نے مجھے زمین سے آسمان کی بلندی تک پہنچا دیا۔

افسوس یہ ہے کہ دورِ جدید میں اس پر ایک سوالیہ نشان لگ چکا ہے۔ نظامِ تعلیم میں کسی اصلاح سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ استاد اور شاگرد کے رشتے میں آج بگاڑ کیوں پیدا ہوا ہے، گرہیں کہاں پڑ گئی ہیں؟ الجھاؤ کہاں ہے اور عقدہ کشائی کی صورت کیا ہے۔ ماضی میں یعنی قدیم تعلیمی نظام میں استاد و شاگرد کا رشتہ کبھی کوئی مسئلہ نہیں بنا۔ چاہے رشی منیوں کی پاٹھ شالائیں ہوں یا صوفی سنتوں کی خانقاہیں اور دینی درس گاہیں ہوں۔ ان کا روحانی و اخلاقی نظام ہی تعلیم و تدریس کا بنیادی ذریعہ رہا۔ یہ تجربہ تو جدید تعلیمی اداروں میں نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وقت اور حالات کے ساتھ اب ماحول میں بہت فرق آ گیا ہے۔ جدید تعلیمی نظام اور نظریے پر غور وفکر سے قبل ان پر اثر انداز ہونے والے سیاسی، سماجی اور معاشی محرکات پر بھی نگاہ ڈالنی ضروری ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں یورپ میں صنعتی انقلاب آیا اور ساری دنیا پر اثر انداز ہوا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں مادیت کا وہ سیلاب آیا کہ ہماری بہت سی اخلاقی و روحانی قدریں برباد ہوگئیں۔ قدیم تہذیبی بساط ہی الٹ گئی۔ ظاہر ہے کہ ہمارا قدیم تعلیمی نظام بھی بدلا اور اسی کے ساتھ استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی متاثر ہوا۔ المیہ یہ ہے کہ جو محبت اور تعظیم کا رشتہ تھا، جو خلوص اور تعلق خاطر پر مبنی تھا، وہ کاروباری سطح پر آ گیا۔ جب سارا ماحول مادیت سے متاثر ہوا تو متعلم یعنی ایک طالب علم کی منطق یہ ہوئی کہ میں نے اسکول کالج میں داخلہ لیا ہے، فیس ادا کرتا ہوں۔ اس لیے مجھے حق ہے کہ میں کلاس روم میں بیٹھوں اور لکچر سنوں۔ میں کسی استاد کا رہینِ منت اور احسان مند نہیں ہوں اور دوسری طرف آج کے معلم یعنی استاد بھی اسی ماحول کی پیداوار ہیں۔ ہم سب علم محض اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ کسبِ معاش کرسکیں۔ جس کی وجہ سے علم کے لیے جو ایک لگن اور پیاس ہونی چاہیے وہ باقی نہیں رہ پائی۔ نتیجے میں اپنے مضمون پر کامل دسترس نہیں ہوتی اور ایسے میں استاد اپنے عیوب چھپانے کے لیے علم وفضیلت کے لبادے اوڑھے اپنے شاگردوں کو ایک فاصلے پر رکھتا ہے۔ پھر ان کے دل میں استاد کے لیے محبت و تعظیم باقی نہیں رہتی۔

طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے استاد کے ادب واحترام کو اپنے اوپر لازم سمجھے، استاد کے سامنے زیادہ بولنے کے بجائے ان کی باتوں کو بغور سماعت کرے اور اپنے استاد کو برا بھلا نہ کہے، ورنہ اس کے تلامذہ بھی اسے برا بھلا کہیں گے۔ استاد کو کبھی ناراض نہ ہونے دے، اگر ان کی شان میں کوئی بے ادبی ہوجائے تو فوراً انتہائی عاجزی کے ساتھ معافی مانگ لے۔

وہی شاگرد پھر ہو جاتے ہیں استاد اے جوہر
جو اپنے جان و دل سے خدمت استاد کرتے ہیں

■

Razdan Shahid
Abgila, Post: Buniyad Ganj
Gaya - 804404 (Bihar)
Mob.: 8507583990

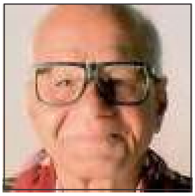

فیض رتلامی

پیار محبت ہیں بچے

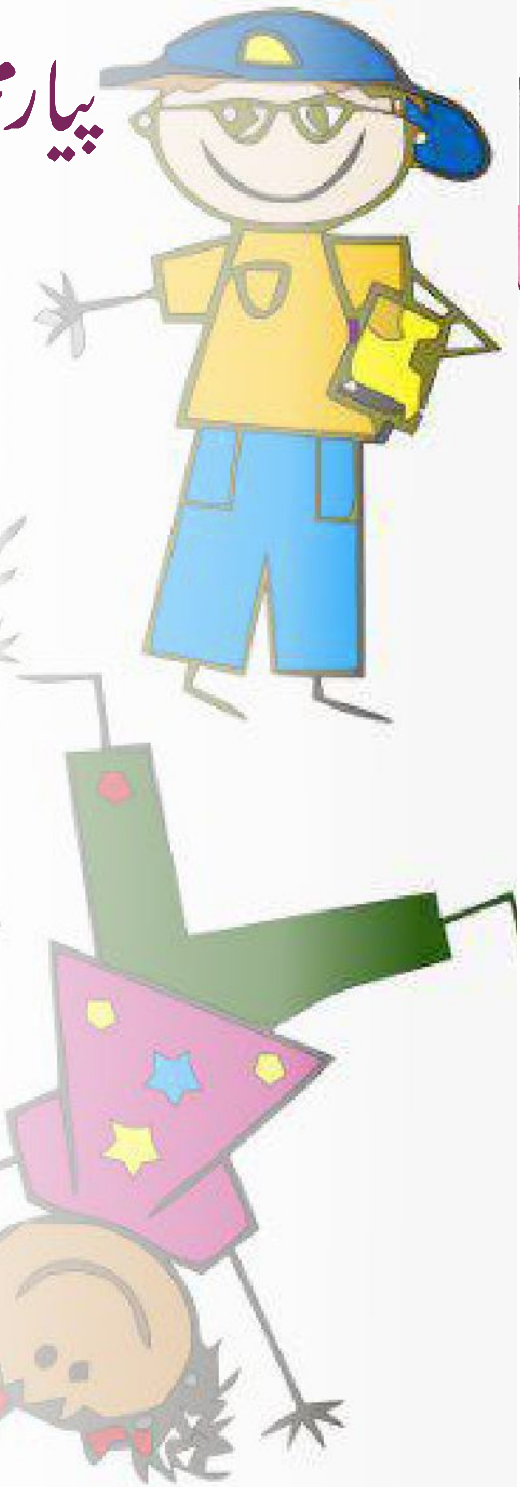

آنکھوں کے یہ تارے نورِنظر سب پیار محبت ہیں بچے
پڑتے ہی نظر پیار آجائے، ایک ایسی حقیقت ہیں بچے
پھولوں کی یہ ڈالی بچے ہیں، کلیوں کی طرح یہ بچے ہیں
جس گھر میں بھی بچے بچی ہیں، اس گھر کی یہ دولت ہیں بچے
یہ بچے بڑوں سے بہتر ہیں، قدرت کے چمن کے گلدستے
امید بہاروں کی بچے، ارمان بھی حسرت ہیں بچے
ان سب کا ہے بھولا پن پیارا، دل کو بھی لگے پیارا پیارا
جو دیکھے محبت سے دیکھے، اللہ کی رحمت ہیں بچے
یہ بھولے بھالے ہوتے ہیں، پیار آتا ہے جب بھی روتے ہیں
ہم پیار سے ان کو دیکھتے ہیں، اور مانتے قسمت ہیں بچے
ان بچوں میں نفرت ہوتی نہیں، سب ساتھ میں کھیلا کرتے ہیں
آنکھوں کی یہ ٹھنڈک سب کے سب، مالک کی بدولت ہیں بچے
اللہ سے بہت یہ ڈرتے ہیں، ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں
اور نام کو روشن کرتے ہیں، اے فیض یہ نسبت ہیں بچے

(تعارف دسمبر 2022 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Faiz Ratlami
48, Samta Nagar (Anand Colony)
Ratlam- 457001 (MP)
Mob.: 7879690200

اردو میری ماں جیسی ہے

شکیل سہسرامی

دل جیسی ہے جاں جیسی ہے
اردو میری ماں جیسی ہے

پشتو سے بیگانہ ہوں میں
اردو کا دیوانہ ہوں میں

جب بھی سجتی ہے بزم اردو کی
ناز کرتی ہے ذات خوشبو کی

جب بھی اردو کا نام آتا ہے
خوشبوؤں کا سلام آتا ہے

جب بھی ہوتا ہے جشن اردو کا
رقص کرتا ہے نام خوشبو کا

جب بھی اردو کی بزم سجتی ہے
دل میں شہنائی میرے بجتی ہے

خوبیاں کیا بتاؤں اردو کی
یہ زباں ہے شکیل خوشبو کی
یہ زباں ہے شکیل جادو کی
یہ زباں ہے شکیل خسرو کی
یہ زباں ہے شکیل یک رو کی

(تعارف نومبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Shakeel Sahsarami
Near Rahman Masjid
Samanpura,Raja Bazar
Patna- 800014 (Bihar)
Mob.: 9835642267

عمران عظیم

جنت کی دنیا

دیوانوں کی بستی ہے
اس میں اپنی مستی ہے

خوب مزے سے کھیلیں گے
جلوہ سب کا دیکھیں گے

راجا رانی آئیں گے
کھیل کھلونے لائیں گے

جھولا میں بھی جھولوں گی
سارے وعدے بھولوں گی

نازش اور ارحم اظفر
خوش حالی کے سب پیکر

دادا دادی اچھے ہیں
گھر میں اُن کے چرچے ہیں

تابش ابو آتے ہیں
تازہ پھل بھی لاتے ہیں

شمن پیئیں میٹھی کوفی
جنت کو دیں گے ٹوفی

سبحان، محمد سب اچھے
میرے جیسے ہیں بچے

سارا آپی کی باتیں
ہیں پھولوں جیسی باتیں

اظہر ابّو اب گھر ہیں
عمران ایسے منظر ہیں

■

Imran Azeem
B-322,Gali No. 5 Mandawali
Fazalpur, Delhi-110092
Mob: 9312340686

پیار کرو جگ میں سب کو!

خالد عبادی

یاد کرو اپنے رب کو
پیار کرو جگ میں سب کو

لازم کرلو خود پر تم
جانا روز کا مکتب کو

بھولے سے مت کہو بُرا
کبھی کسی بھی مذہب کو

ذہن میں مستحضر رکھنا
اپنے مشن اور مطلب کو

اچھا بن کر عام کرو
اچھائی کے مشرب کو

ڈھب سکھلانے والے بنو
نا اہلوں کو بے ڈھب کو

جیتنا ہے تو قابو میں
رکھو اپنے مرکب کو

■

Khalid Ebadi
C/o Book Emporium
Sabzi Bagh
Patna- 800004 (Bihar)
Mob.: 9835480456

الیاس احمد انصاری شاداب

ماں

ماں کے آنچل تلے راحتیں راحتیں
ماں کے دل میں چھپی چاہتیں چاہتیں

ماں کا درجہ یہ کہ رفعتیں رفعتیں
ماں کی ہر بات میں حکمتیں حکمتیں

ماں کی مسکان سے فرحتیں فرحتیں
ماں کی آغوش میں رحمتیں رحمتیں

ماں کے بن چار سو فرقتیں فرقتیں
ماں کے احساس سے نزہتیں نزہتیں

ماں کی گر کر لو تم خدمتیں خدمتیں
تو یقیناً ملیں عزتیں عزتیں

ماں خفا ہو تو ہیں لعنتیں لعنتیں
ماں جو خوش ہم سے تو سعادتیں سعادتیں

لے لو ماں کی دعا ساعتیں ساعتیں
پالو شاداب سی عظمتیں عظمتیں

■

Ilyas Ahmed Ansari Shadab
Attar Gali, Mominpura
Akola- 444001 (Maharashtra)

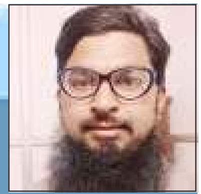

عبدالمنان صمدی

رکشے والے

رکشے والے رکشے والے
دھوپ میں سب کے چہرے کالے
کیسی گرمی کیسی دھوپ
سب نے بدلا اپنا روپ
تھوڑی دیر ٹھہر کر چلنا
ٹھنڈا پانی منہ پر ملنا
سر پر اپنے کپڑا رکھنا
رکشہ لے کر آگے بڑھنا
گرمی سے بے حال ہوئے ہیں
سوکھے سارے تال ہوئے ہیں
پیٹ کا ایندھن یوں نہ بھرنا
ایسے ویسے کام نہ کرنا
نام خدا کا ہر دم لینا
اس کی قدرت روزی دینا
رکشے والے رکشے والے
دھوپ میں سب کے چہرے کالے

■

Abdul Mannan Samdi
2939, Tayyeb Colony
Civil Line
Aligarh- 202001 (UP)
Mob.: 9286300994

نسیم سعید

آب و ہوا میں تبدیلی اور سیلاب کے اثرات

پیارے بچو! ہمارے ملک ہندوستان میں موسمِ باراں یعنی برسات کے موسم کا آغاز ہو چکا ہے۔ فی الحال ملک کے کسی حصے میں موسلا دھار بارش ہو رہی ہے تو کہیں کہیں لوگ بارش ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذرائع ایسی خبروں کی سرخیاں بھی خوب بناتے ہیں۔ ہم بھی اپنے علاقوں خصوصاً محلوں، گلیوں اور سڑکوں پر بھاری بارشوں، آندھیوں اور طوفانوں کے دوران ایسے مناظر کا سامنا بھی کرتے ہیں۔ تباہی و بربادی کے مناظر ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ آیئے بھاری بارش کی وجہ سے آئے سیلاب یا باڑھ کے بارے میں معلومات اکٹھا کرتے ہیں۔

باڑھ یا سیلاب کا راستہ ندیاں ہوتی ہیں۔ ندیاں ان خاص جگہوں سے نکلتی ہیں جہاں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے جسے عام زبان میں کنڈ بولتے ہیں۔ عام طور سے ان کنڈوں کے آس پاس یا قرب و جوار میں جنگلات نہیں ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے پانی تیزی سے ندیوں میں بہہ کر باڑھ یا سیلاب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دُنیا کے 50 بڑے کنڈوں میں سے %40 میں جنگل نہیں ہیں۔ شجر کاری سے تباہی روکی جاسکتی ہے۔ وہیں دوسری طرف آب و ہوا میں تبدیلی کے علاوہ انسانی سرگرمیوں نے سیلاب اور باڑھ کے خطروں کو کئی گنا بڑھا دیا ہے۔ لیکن سیلاب انتظامیہ کے ذریعے اس سے ہونے والے نقصان کو کافی حد تک کم ضرور کیا جاسکتا ہے۔ 1950 میں جہاں ہندوستان میں محض 371 باندھ یا پشتے تھے وہیں اب یہ تعداد پانچ ہزار کے آس پاس پہنچ گئی ہے۔ لیکن اُس کے باوجود ہمارے وطن ہندوستان میں بہار، مہاراشٹر، آسام، تری پورہ، میزورم، اتر پردیش، جموں اور کشمیر جیسی ریاستوں میں بار بار باڑھ یا سیلاب آتے رہتے ہیں۔

ریاست بہار کے شمالی حصوں میں تقریباً ہر سال سیلاب آتا ہے۔ اس کی خاص وجہ نیپال سے آنے والی ندیاں ہیں۔ نیپال میں بھاری بارش کے بعد وہاں کا پانی بہار میں آجاتا ہے۔ کوسی، سیمانچل سمیت مظفر پور، شیوہر، چمپارن باڑھ سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ریاست مہاراشٹر میں جہاں ایک علاقہ خشکی کے زیرِ سایہ ہوتا ہے وہیں بیک وقت دوسری طرف

ممبئی میں ہر سال بارش کے موسم میں باڑھ جیسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔اس کے پیچھے کی خاص وجہ پانی کی نکاسی کا راستہ صاف نہیں ہونا ہے۔لوگ کھلی جگہوں میں کچرا پھینک دیتے ہیں جو پانی کی نکاسی کے راستوں میں حائل ہوجاتا ہے اور باڑھ جیسے حالات انسانی اعمال کے نتیجوں میں بن جاتے ہیں۔سمندر کی سطح آب میں اضافہ بھی باڑھ کا ایک مستقل سبب ہے۔آسام جیسی ریاست میں مانسونی بارش کی وجہ سے ندیوں میں پانی کی سطحوں میں مسلسل اضافے ہی سے باڑھ آتی ہے۔ برہم پتر اور اُس کی معاون ندیوں میں پانی کی سطحوں میں اچانک اضافے سے ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں۔ دھیماجی، لکھیم پور، بسوناتھ، نل ماڑی، چیرانگ، گولا گھاٹ، ماجولی، جوراٹ، نگاؤں، موری گاؤں، کوکرا جھار، بوگائی گاؤں، بکسا، سونت پور، ڈبروگڑھ اور بارپیٹا ضلعے اس سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔تری پورہ اور میزورم صوبوں کے نچلے علاقوں اور گاؤں میں بارش کی وجہ سے آنے والی باڑھ سے ہر سال ہزاروں لوگ متاثر ہوتے ہیں۔کھوات لنگتوئی پوئی ندی اور اُس کی معاون ندیوں کی وجہ سے ہر سال ہزاروں لوگوں کے آشیانے تباہ ہوجاتے ہیں۔ ملک کے دوسرے حصوں سے ان کا تعلق ٹوٹ سا جاتا ہے۔اتر پردیش جیسی بڑی ریاست میں مسلسل بارش سے کئی ضلعے پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔ندیوں کے سطح آب کافی بڑھ جاتی ہے۔گنگا اور اس کی کئی معاون ندیوں سریو، گومتی، گھاگھرا کے کنارے بسی آبادی بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے۔جموں وکشمیر میں سیلاب کی خاص وجہ بھاری بارش، بادلوں کا پھٹنا ہے۔آب وہوا میں تبدیلی کی وجہ سے بھی گلیشیر پگھل رہے ہیں۔

آب وہوا میں تبدیلی کی وجہ سے دُنیا بھر کے جاندار، حشرات اور کیڑوں مکوڑوں کی تقریباً دوہزار انواع واقسام اپنا

مستقل مسکن چھوڑ کر کہیں دوسری طرف جانے کے لیے بے بس اور مجبور ہے۔ یہ ماحولیاتی نظام کے بحران کی شروعات ہے۔ آج آب وہوا میں تبدیلی نے مخلوق اور کل ذی روح کو موسمی تبدیلیوں کے مطابق ڈھلنے یا نیا بسیرہ دریافت کرنے کے لیے مجبور کردیا ہے۔ بالکل یہی حالات سمندری جانداروں کا بھی ہے جیسے مونگے۔پانی کا درجہ حرارت اور آلودگیوں میں اضافے سے مونگے بھاری خطرے میں ہیں۔سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اگر سمندری پانی کے درجہ حرارت میں دو ڈگری سیلیس مزید اضافہ ہوا تو زیادہ کورل زندہ نہیں بچیں گے۔اُن کی موت کا مطلب ہوگا مچھلیوں اور سمندری نباتات کی کئی انواع واقسام کا خاتمہ۔

خود ہمارے ملک ہندوستان میں سیلاب، طوفان اور زمین کے کھسکنے جیسی قدرتی آفات کی وجہ سے ہزاروں افراد

موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ باڑھ کے پانی کے اُترنے کے بعد بھی مختلف بیماریوں کا شکار ہونا موت کا سبب بنتا ہے۔ جب تک عام زندگی معمول پر آئے تب تک اگلی باڑھ دروازوں پر دستک دینے لگتی ہے۔ جہاں ایک طرف انسانی آبادیوں میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے وہیں دوسری طرف بارش کی شدت میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ بلکہ دُنیا کے گلیشیروں کی بڑی تعداد بھی تیزی سے پانی میں تبدیل ہورہی ہے۔ ان سب وجوہات سے باڑھ کا جلدی جلدی آنے کا خطرہ بھی بڑھ رہا ہے۔ باڑھ آنے کی تعداد میں جتنا اضافہ ہونے کا اندازہ ہے، اُس میں سے نصف کی وجہ آب وہوا میں تبدیلی ہے تو نصف کی وجہ انسانی آبادیوں میں مسلسل اضافہ ہے۔

ایک رپورٹ بتاتی ہے کہ سال 1970 سے 2005 کے درمیان عام طور سے سالانہ ایک کروڑ لوگ صرف ہندوستان میں سیلاب سے متاثر ہوتے ہیں۔ حالاں کہ اس صدی کے اختتام تک اُن کی تعداد پانچ کروڑ سے زیادہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ ماہرین ماحولیات کا یہ کہنا بجا ہے کہ صرف باڑھ سے متاثر ہونے والے انسانوں کی تعداد کو دو کروڑ تک محدود کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس کے لیے دُنیا بھر کے درجہ حرارت میں اضافے کو صرف ڈیڑھ ڈگری سیلیس پر محدود رکھا جائے۔ لیکن حالیہ انسانی سرگرمیوں کو زیرنظر رکھ کر سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ مستقبل قریب کی چند دہائیوں میں ہی درجہ حرارت میں تین ڈگری سیلیس کا اضافہ ممکن ہے۔ دراصل آب وہوا میں تبدیلی کی وجہ سے ہونے والی نقل مکانی ایک بڑا عالمی مسئلہ بن گیا ہے، جس کا سامنا کرنا عالمی برادری کے لیے ایک چیلنج ہے۔ مگر ان سب کے باوجود انسان فطری ماحول میں چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہیں آرہا ہے، جس کی وجہ سے مستقبل قریب کی چند دہائیوں میں ہی انسانی تباہی کا منظر دیکھنا ممکن ہے۔

پیارے بچو! سیلاب یا باڑھ کی تباہی سے بچنا ہے تو شجرکاری کو فروغ دینا ہوگا، اپنے محلوں وگلیوں کی صفائی کرنی ہوگی ۔گندے یا بارش کے پانی کی نکاسی پر معقول توجہ دینی ہوگی اورانتظامیہ کا بھرپور تعاون کرنا ہوگا۔ سال درسال آنے والی سیلابی تباہی کو روکنے کے لیے وقت سے پہلے انتظام کرنا ہوگا۔ عالمی حرارت میں اضافے کی صورت حال سے نپٹنے کے لیے عالمی حرارت برائے عالمی بیداری کا ہم سب کو حصہ بننا ہوگا۔

(تعارف اپریل 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Naseem Sayeed
M M Rabbani, High School
Kamptee- 441001 (Maharashtra)
Mob.: 7798274366

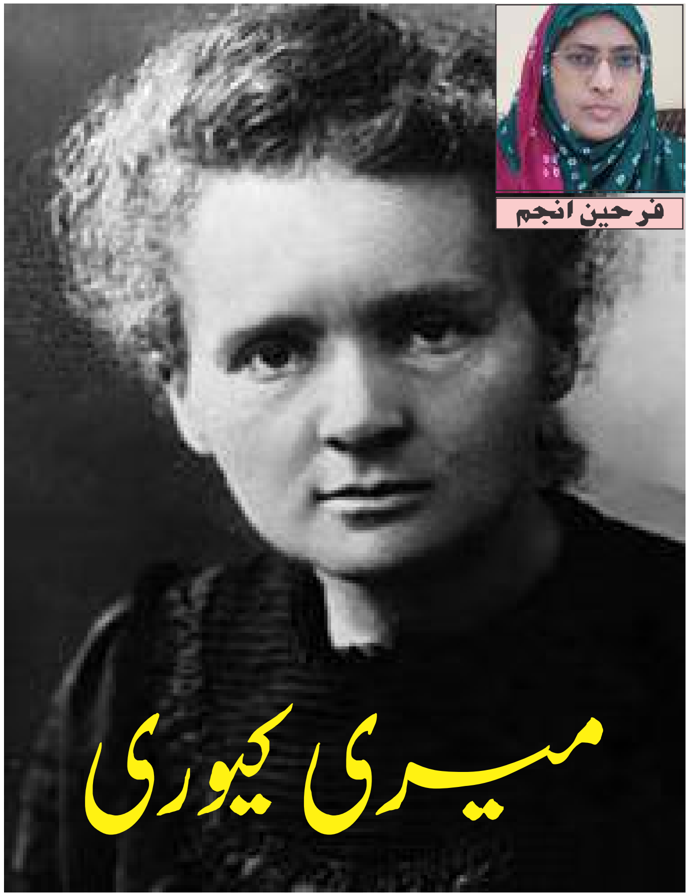

میری کیوری

فرحین انجم

میری کیوری (1867-1934) پولینڈ کے شہر ورسا (Warsaw) میں 7 نومبر 1867 کو پیدا ہوئی۔ اس وقت پولینڈ پر رشین حکومت تھی۔ میری کیوری کا اصلی نام ماریا، اسکلو ڈوسکا تھا۔ وہ بچپن سے ہی ایک عقلمند اور ہوشیار طالبہ تھی۔ اس کے سامنے سب سے بڑی مشکل تب آئی جب اسے باہر ایجوکیشن سے روکا گیا تھا کیونکہ وہ ایک لڑکی تھی، لیکن اس کے شوق نے اسے رکنے نہ دیا اور اس نے ایک چھوٹی سی یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہ ایک کریٹ ایجوکیشن سسٹم تھا۔ میری کیوری نے ٹیوشن پڑھا کر محنت سے پیسے جمع کیے اور پیرس جا کر وہاں پر (سوریون یونیورسٹی) میں داخلہ لیا اور فزکس کی تعلیم حاصل کی۔ پیسوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ صرف بریڈ کے ساتھ ساتھ چائے لے پاتی تھی۔ اکثر وہ کلاس میں چکر کھا کر گر جاتی تھی۔ میری کیوری بہت ہوشیار لڑکی تھی۔ اس نے اپنی لگن اور دلچسپی سے ریڈیم کی کھوج کی اور اس سے نکلنے والی دھات کا پتہ لگایا۔ حالانکہ یہ کام بہت مشکل تھا۔ لیکن اس کی لگن اور محنت تھی کہ وہ آگے بڑھتی گئی۔ ریڈیم ایک خطرناک حد تک تابکار دھات ہے۔ اس کا جوہری وزن 226 اعشاریہ 5 اور جوہری... 88 ہے۔ 700 درجہ سینٹی گریڈ پر جوہری علامت Ra ہے۔ ریڈیم بے رنگ ہوتا ہے۔ ریڈیم اندھیرے میں چمکنے والا مادہ ہے۔ دسمبر 1903 میں 'رائل سویڈش اکیڈمی' آف سائنسز نے میری کیوری کو فزکس کے نوبل انعام سے نوازا، وہ نوبل انعام جیتنے والی پہلی خاتون تھی۔ 1906 میں پیرس یونیورسٹی میں پروفیسر بنی۔ تابکار اسوٹوپس کو الگ تھلگ کرنے کے لیے ایجاد کردہ تکنیکوں کا استعمال کرتے ہوئے عناصر پولونیم اور ریڈیم کی دریافت کے لیے کیمسٹری میں 1911 کا نوبل انعام حاصل کیا۔

- نوبل انعام کیمیا (1911)
- نوبل انعام برائے طبعیات (1902-1903)

میری کیوری نے اپنی محنت اور عقلمندی سے کینسر کا علاج ریڈیون لاجیکل کی ایجاد کی، کینسر کا علاج ریڈیم سے نکلنے والی ایک ریس کے ذریعے کینسر کا علاج دریافت کرنے والی پہلی خاتون تھی۔ ریڈیم کی ویڈیو ایکٹیولیٹن اتنی زبردست

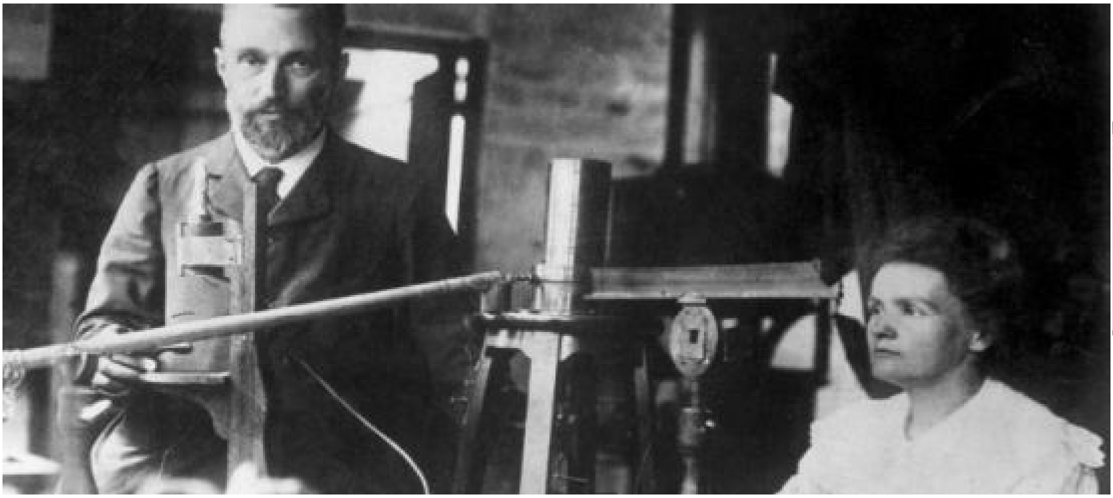

تھی کہ اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تجرباتی سطح پر ریڈیم کی دریافت نے ارنسٹ اور فورڈ جیسے لوگوں کو تابکاری کے ذرائع فراہم کیے جس سے میری کیوری کے کام نے طبیعیات اور کیمسٹری میں تمام نظریات کو الٹنے میں مدد کی۔ میری کیوری کی محنت کی وجہ سے ریڈیم دریافت کرلیا جو کہ میری کیوری کے لیے سائنس کی دنیا میں ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔

ریڈیم اتنی خطرناک دھات ہے جو کہ ہاتھوں اور جسم کی کھال کو بہت بری طرح جلا دیتی ہے۔ لیکن دوسری طرف بیماریوں کا علاج بھی ہے۔ میری کیوری اور پولونیم اس کے شوہر ان دونوں سائنس داں میاں بیوی نے ریڈیم کے ذریعے اسے آسان بنایا۔ کینسر کے علاوہ (ایکسرے اور ریڈیم کی دریافت کی)۔ اور بھی بیماریوں کا علاج ریڈیم سے کیا جاتا ہے۔ دنیا ہمیشہ اس عظیم سائنس داں عورت پر فخر کرتی رہے گی۔

پیٹر کیوری کی 1906 میں انتقال کے بعد میری نے اپنی تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا اور سوربون میں جنرل فزکس کے پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئی۔ اس عہدے پر پہلی بار کسی خاتون کا تقرر ہوا تھا۔ اس کے بعد کیوری پیرس یونیورسٹی کے ریڈیم انسٹی ٹیوٹ میں کیوری لیبارٹری کی ڈائرکٹر منتخب ہوئیں۔ ان کو نوبل انعام بھی کیمسٹری میں خالص ریڈیم کو الگ کرنے پر دیا گیا تھا۔

میری کیوری کو لیوکیمیا کا مرض لاحق ہوا اور اسی بیماری کی وجہ سے 4 جولائی 1934 کو ان کا انتقال ہوگیا۔ 1995 میں ان کے باقیات کو فرانسیسی قومی مقبرے میں منتقل کیا گیا۔

Element 96 (عنصر 96) پیئر اور میری کیوری کے اعزاز میں ہی کیوریم نام رکھا گیا۔

پیارے بچو! محنت کر کے انسان کیا کچھ نہیں ہوسکتا۔ میری کیوری آج ہمارے بیچ نہیں ہے لیکن اس کی محنت کی وجہ سے ریڈیم جیسی عنصر کی دریافت مہلک بیماری میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ آپ بھی محنت اور لگن سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

■

Farheen Anjum
Paradise Colony, Near New Hanuman Nagar
Walgaon Road
Infront of Darshan Kirana
Amravati- 444604 (Maharashtra)
Mob.: 7448022026

بچوں کو کیریئر و گائیڈنس کالم ضرور پڑھنا چاہیے

س: بچپن کی کون کون سی باتیں، شوخیاں، شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: ایک مرتبہ مجھ سے سرمہ کی شیشی ٹوٹ گئی۔ اسے چٹکی میں لے کر واپس شیشی میں ڈالنے کی کوشش کی تو نہیں ڈلا۔ میں بہت پریشان ہوگیا۔ نہ جانے کیا کیا شرارت سوجھی کہ وہ سرمہ اپنے منھ پر مل لیا اور امی کا برقعہ پہن کر گھر کے بچوں کو ڈرانے لگا کہ میں بھوت ہوں۔ یہی شرارت کرتے ہوئے گلی میں جا کر کھڑا ہوگیا اور آتے جاتے بچوں کو ڈرانے لگا، کچھ بچے تو ڈر کر بھاگ گئے لیکن کچھ سمجھ دار بچے بھی تھے وہ نہیں ڈرے، ہماری گلی میں ایک پرانا آٹو رکشا کھڑا تھا۔ اس میں ایک کتیا نے بچے دے رکھے تھے۔ تبھی وہ کتیا آٹو رکشا سے باہر آئی اور دانت نکال کر مجھ پر جھپٹنے لگی۔ میں بری طرح ڈر گیا اور جو بھوت بچوں کو ڈرا رہا تھا، امی امی کرتا ہوا گھر بھاگا۔ گھر آیا تو بری طرح کانپ رہا تھا اور گھر کے دوسرے بچے میری حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ یہ بات آج بھی یاد آتی ہے تو خود پر ہنسی آتی ہے۔

طه نسیم

س: بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج: بچپن میں ہمارے نصاب میں اسماعیل میرٹھی کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ ایک ایک نظم اور سبق کو کئی بار پڑھتے تھے۔ کئی نظمیں تو منھ زبانی یاد ہوگئی تھیں۔ پانچویں اور چھٹی جماعت میں کہانیاں پڑھنے کا شوق ہوا تو ہماری خالہ سراج انور صاحب کی کتابیں پڑھتی تھیں اور ہم ان کی کتابیں لے کر پڑھنے لگے۔ سراج انور کا قسط وار ناول دوڑتا جنگل بہت پسند تھا۔ اسی بیچ ایک روپے میں امریکی ادیب Lee Falk کی ایڈونچر کامکس Phantom آنی شروع ہوئی تو وہ بھی پسندیدہ بن گئی کیونکہ اس میں افریقہ کے جنگلات اور نیم وحشی انسانوں کو دکھایا جاتا تھا۔ میں بہت دیر تک اس کی Illustrations دیکھتا تھا کہ وہ بالکل اصل لگتی تھیں۔ ہمارے

نصاب میں پریم چند کی دو کہانیاں عیدگاہ اور پنچایت شامل تھیں۔ دونوں کہانیوں نے اتنا متاثر کیا کہ اسکول کی لائبریری سے پریم چند کی کتابیں ایشو کرا کر پڑھنی شروع کر دیں اور پریم چند بھی میرے پسندیدہ ادیب بن گئے۔

س: بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

ج: ہماری خالہ جان کے پاس ایک کتاب تھی 'سند باد کے سفر' ہم تین بچے تھے۔ میں پڑھتا تھا اور دو چھوٹے بچے مجھ سے سنتے تھے۔ نہ جانے ایک ایک کہانی کتنی بار پڑھی اور سنائی۔

س: بچپن میں کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

ج: ہماری والدہ اور خالہ دونوں ہی ٹیچر تھیں۔ ہمارے یہاں شمع، بانو، مجرم اور کھلونا آتے تھے۔ اس کے علاوہ مٹیا محل پر اچار والے کی دکان سے ہم فینٹم کامکس، لوٹ پوٹ اور دیوانہ خرید کر لایا کرتے تھے۔

س: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے اسماعیل میرٹھی، علامہ اقبال، منشی پریم چند، سعدی شیرازی کی حکایات اور سائنسی کتابیں پڑھنی چاہئیں۔

س: زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟

ج: حامد افسر اور شفیع الدین نیر کے علاوہ مائل خیرآبادی اور بچوں کے میگزین جن میں خاص طور پر بچوں کی دنیا، جنت کے پھول اور باغیچہ شامل ہیں۔ ان کا مطالعہ مفید رہے گا۔

س: مستقبل اور اپنے کیریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

ج: دیکھیے اردو کے سبھی بڑے اخبارات میں ہفتہ واری بچوں کا کالم اور کیریئر وگائیڈینس کالم شائع ہوتے ہیں۔ بچوں کو انھیں ضرور پڑھنا چاہیے۔ بمبئی سے ماہنامہ 'گل بوٹے' شائع ہوتا ہے اس کا آن لائن ایڈیشن بھی ہے اس میگزین میں کیریئر گائڈینس پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔

س: اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: میری پیدائش دہلی کے علاقہ پہاڑی بھوجلہ کی ہے۔ وہیں اسلامیہ ایلیمنٹری اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اینگلو عربک اسکول (سابق دلی کالج) میں پڑھائی کی۔ جامعہ اسلامیہ سے بی اے آنرس اور صحافت میں سرٹیفکیٹ کورس کیا اور ایم اے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے کیا۔

س: آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: دراصل میری چھوٹی بہن جو مجھ سے دس سال چھوٹی ہے، اسے میں رات کے وقت جانوروں اور پرندوں کی کہانیاں بنا بنا کر سناتا تھا، وہ اسے بہت پسند تھیں، ان کہانیوں میں تھوڑے تھوڑے دن بعد نئے کردار آجاتے تھے اور ان کا ایک نام رکھا جاتا تھا۔ اس کہانی میں لڑائی، سسپنس اور ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ ہوتا تھا۔ میں یہ کہانیاں اپنے ساتھیوں کو بھی سنانے لگا۔ کئی کہانیوں کے کاپی میں اسکیچ بنا کر بھی پیش کیے۔

یہیں سے شروعات ہوئی۔ میری پہلی کہانی 1992 میں روزنامہ 'ہندسماچار' میں شائع ہوئی۔ میں بہت خوش ہوا اور وہ اخبار سب کو دکھاتا پھرتا تھا۔ اس کے بعد 'سمندر' پر ایک مضمون گلابی کرن (اردو ماہنامہ) میں شائع ہوا۔ ہندی میں بچوں کا ایک رسالہ شائع ہوتا تھا اس کا نام میرے ذہن سے محو ہوگیا، اس میں میری کہانی 'ہاتھی کو بچایا چیونٹی نے' شائع ہوئی تو مجھے مزید لکھنے کا حوصلہ ملا۔

س: آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج: میں نے اپنی چھوٹی بہن کے لیے کاپی پر کچھ اسکیچ بنا کر کہانی کی شکل میں پیش کیا تھا تو میری والدہ اور ایک دوست نے مشورہ دیا کہ میں بچوں کے لیے لکھ سکتا ہوں تو میں نے لکھنا شروع کردیا۔

س: آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج: میں نے سائنس، تاریخ اور اسلامیات کو موضوع بنایا ہے اور اسی لیے میری زیادہ تر کتابوں میں تصاویر اور ڈائیگرام ہیں۔

س: کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

ج: میں نے کالج کے آخری دنوں سے کئی سال تک بچوں کو ٹیوشن پڑھائی۔ یہ بہت اچھا تجربہ تھا بچوں کو سمجھنے کا۔ اس دوران بچوں کی نفسیات کو اچھی طرح جاننے کا موقعہ ملا اور یہ تجربہ بھی ہوا کہ انھیں سوال و جواب کی شکل میں کوئی کتاب پیش کی جائے تو وہ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

س: بچوں کے لیے لکھتے وقت آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج: اس وقت جو نسل ہمارے سامنے ہے وہ پوری طرح کارٹون نیٹ ورک اور سوشل میڈیا سے متاثر ہے۔ اس لیے جہاں وہ Fantasy world کو پسند کرتے ہیں وہیں Adventure اور Thrill بھی ان کی تفریح کے لیے لازمی ہوگئی ہے۔ آج کے بچوں کی پہلے کے مقابلے زیادہ جغرافیائی، سائنسی اور ماحول کی معلومات ہے۔ اس لیے آپ تبھی کامیاب ہیں جب آپ کی تحریر میں تعلیم کے ساتھ ساتھ ایڈونچر اور کچھ Fantasy بھی شامل ہو۔

س: ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقوں میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: حالانکہ مجھے تاریخ اور دینیات پر لکھنے کا شوق رہا ہے لیکن جب میں نے بچوں کے لیے لکھنا شروع کیا تو زبردست پذیرائی ہوئی بلکہ میرے اساتذہ نے جب میری کتب دیکھیں تو انھوں نے بھی حوصلہ بڑھایا۔ کئی اداروں نے مجھ سے بچوں کے لیے کتابیں لکھوائیں۔ دہلی میں آئی بی این ایک ادارہ ہے۔ انھوں نے میرے مشورے پر پہلی مرتبہ اردو میں رنگین کامکس شائع کی۔ یہ میرا وہ تجربہ تھا جو میں اپنی بہن کو اسکیچ بنا کر کہانی سنایا کرتا تھا۔ اس کے بعد کئی بڑے اداروں نے دسویں جماعت تک کی نصابی کتب بھی تیار کرائیں۔ الحمدللہ اب تک میری 67 کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

س: کیا آپ بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

ج: مجھے کتابیں پڑھنے سے ذہنی اور روحانی سکون ملتا ہے۔ میں آج بھی بچوں کی کتابیں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ جو کتاب اچھی لگتی ہے خرید لیتا ہوں۔ اسی ہفتے ایک نایاب کتاب خریدی ہے۔ مولوی عبدالحق نے بچوں کے لیے کچھ خطوط لکھے تھے میں نے اس کتاب کو خرید لیا۔ آج ہی میں نے Jules Verne کا ناول Around the World خریدا ہے اور اسے راستے میں ہی پڑھنا شروع کردیا۔

س: انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟

ج: انگریزی اور ہندی زبان میں ماہنامہ ٹنکل آتا ہے وہ بہت

اچھا رسالہ ہے۔

س: کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

ج: جی ہے! بچوں کی دنیا اور بچوں کا امنگ بھی انگریزی، ہندی یا کسی اور زبان کے رسالوں سے کم نہیں ہیں۔

س: بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: اوّل تو موجودہ دور میں بچوں کے لیے اردو کا رسالہ نکالنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے کیونکہ اردو زبان ہندی انگریزی اور کسی حد تک بہیا زبان سے متاثر ہو رہی ہے۔ فلموں، ٹی وی سیریل اور کارٹون وغیرہ ملکی زبانوں کے ڈبنگ شدہ پروگراموں کا زبان پر اثر پڑا ہے تو جو زبان پچیس تیس سال پہلے استعمال ہو رہی تھی وہ خالص اردو تھی۔ آج پہلے کے مقابلے آسان زبان استعمال ہو رہی ہے اور دیگر زبانوں سے لفاظ بھی بول چال اور تحریریں استعمال کی جا رہی ہیں۔ میرے خیال میں ہمارے رسائل میں جو زبان استعمال ہو رہی وہ ٹھیک ہے۔

س: معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: معاصر ادب اطفال کے معاملے میں ہمارا مقابلہ انگریزی اور ہندی سے ہے۔ وہاں بیس سال پہلے نئے تجربات کیے گئے۔ زیادہ فوکس سائنس پر دیا جانے لگا۔ رسالوں میں باتصویر کہانیوں اور کارٹون کا استعمال بڑھا۔ اردو والے پرانی ڈگر پر چلتے رہے۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ اردو داں طبقے کے بچے بس ہندی کامکس یا انگریزی کتابیں پڑھنے لگے۔ آج کا دور Visual effects کا ہے جو کتابیں آنکھوں کو بھاتی ہیں وہ خریدی جاتی ہیں۔ اردو اداروں نے اس جانب بہت دیر سے توجہ دی۔

س: بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز و مشورے؟

ج: یہ بدنصیبی ہے کہ حصول تعلیم پر تو زور دیا جا رہا ہے اور تربیت ہم نے سوشل میڈیا کے حوالے کر دی ہے۔ بچہ دن رات ٹی وی، کمپیوٹر اور موبائل فون پر جو دیکھ اور سن رہا ہے اس سے متاثر ہو رہا ہے۔ اسی لیے والدین کی نافرمانی، سماجی و خاندانی رشتوں کی کمزوری، بڑوں کی بے ادبی، مذہب کی تضحیک اور مشرقی اخلاقیات کو غیر ضروری سمجھا جا رہا ہے۔ عالمی میڈیا کنزیومرزم (صارفیت) اور خودغرضی کو بڑھاوا دے رہا ہے۔ ان حالات میں ہمارے ادبا کی ذمے داری ہے کہ وہ سماج کی ان اقدار اور رشتوں کو بچانے کی کوشش کریں جو خاندان اور سماج کو جوڑے رکھتے ہیں۔

س: ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

ج: این سی پی یو ایل نے بچوں کی دنیا شروع کر کے اس کمی کو پورا کر دیا جو کھلونا، نور، بتول اور سائنس کی دنیا جیسے میگزین بند ہونے سے محسوس کی جا رہی تھی اس میں ہر قسم کا مواد ہے۔ میری ناقص رائے ہے کہ اس میں اردو کے کلاسیکی ادب سے بھی ایک دو صفحے کا مواد دیا جائے۔

س: بچوں کے لیے کوئی پیغام؟

ج: میں بچوں سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ جس کام میں وہ کامیابی چاہتے ہیں اس کے لیے محنت کریں۔ اگر ناکام ہوں تب بھی کوشش کریں۔ مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ بار بار کوشش کرنے سے ایک بار ضرور کامیابی ملے گی۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے کچھ نہ ہوگا۔ ہار مان لینا دراصل ناکامی ہے تو آپ روزانہ محنت کریں، آج جتنی سی ہے کل اس سے زیادہ اور اچھی کوشش کریں۔ ان شاءاللہ کامیابی ملے گی۔

(تعارف فروری 2022 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Taha Naseem
Pahari Bhojla, Turkaman Gate
Delhi 110006

لالی کا شیرو

شیریں نیازی

شیریں نیازی کا تعلق بھرکنڈا، ضلع رام گڑھ جھارکھنڈ سے ہے۔ ان کی شناخت ایک فکشن نگار کے طور پر ہوتی ہے۔ پہلی کہانی 10 سال کی عمر میں لکھی تھی۔ ان کی کہانیوں کے اب تک دو مجموعے 'آدمی چڑیا اور کانٹا' اور 'ریزہ ریزہ' شائع ہو چکے ہیں۔ کچھ کہانیوں کے ترجمے ہندی، تیلگو اور کنڑ میں بھی چھپ چکے ہیں۔ ملک و بیرون ملک کے رسالوں میں بھی ان کی کہانیاں شائع ہوتی رہتی ہیں اور سو سے زائد کہانیاں آکاش وانی دلی، پٹنہ، رانچی اور ہزاری باغ سے نشر ہو چکی ہیں۔

رومی اور شانو کو اسکول کے لیے تیار کرنے کے بعد رفو نے جھاڑو اٹھائی ہی تھی کہ لالی ممیا اٹھی۔

لالی کے چراگاہ جانے کا وقت ہوگیا تھا۔ اس لیے آواز لگا کر یاد دلا رہی تھی کہ اس کی مالکن گلے کی رسی کھول دے۔

کام کی دھن میں رفو آج لالی کو کھولنا بھول گئی تھی۔ بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد اسے گھر کے سارے کام نپٹانے تھے۔ اس کے بعد سرپنچ صاحب کے گھر دھان کوٹنے جانا تھا۔ فصل دو دن پہلے ہی کٹ چکی تھی۔ نئے دھان کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ موسم غریبوں کی امیدوں کا موسم تھا۔ دھان کی کٹنی چھٹنی کے بعد کھیتوں کی صفائی اور جتائی ہونی تھی۔ اس کے بعد گیہوں اور چنے بوئے جائیں گے۔ کسان اور ہلوا ہے باہر کھیتوں پر کام کریں گے۔ ان کی بیویاں زمینداروں، مکھیا اور سرپنچ کے گھروں میں کوٹنے چھانٹنے پھٹکنے چننے جیسا کام کریں گی۔ جس کے بدلے دس دس سیر چاول اور گیہوں مل جایا کرتا تھا۔ جن کسانوں کی کٹھا دو کٹھا اپنی زمین ہوتی تھی وہ اس میں اپنے گھر پریوار کے لیے موسمی سبزیاں اگا لیا کرتے تھے۔ ہفتے

کے روز جب بازار لگتا تو سبزیاں، آلو، پیاز، لہسن وغیرہ بازار میں بک جاتیں۔ جن کی آمدنی سے ان کا اوپر کا خرچ نکل آتا تھا۔ موٹا جھوٹا جو بھی اناج ہوتا پیٹ بھر کھا لیتے تھے۔ بچوں کو پہننے کے لیے بڑے گھر کے بچوں کے پرانے کپڑے، عورتوں کو ساڑیاں اور لڑکیوں کو شلوار کرتے بھی سال میں دو بار مل ہی جاتے تھے۔ اس طرح ان کا گزارا ہو جایا کرتا تھا۔ کسی کو کسی سے گلہ شکوہ نہیں تھا۔

انہی میں سے یہ رَفو کا خاندان بھی تھا۔ اس کے دو بچے تھے جو نیک اور صالح بھی تھے۔ بستی سے دو کوس دوری پر سرکاری اسکول بھی تھا۔ اور ایک پرائیویٹ انگلش اسکول۔ کسانوں کے بچے سرکاری اسکول میں پڑھتے اور بڑے گھر کے بچے چوتھی پانچویں کلاس پاس کرنے کے بعد شہر چلے جاتے تھے۔

ہلواہوں اور کسانوں کے بچے دسویں تک تو اپنے اپنے اسکولوں سے ہی کر لیتے تھے۔ باقی جس کی جیسی اوقات آگے کی پڑھائی یا کوئی کام دھندا۔۔۔

رفو کے دونوں بچوں کے سپنے کچھ الگ تھے۔ رومی انجینئر بننا چاہتا تھا اور شانو فاریسٹ آفیسر، اسے فطرت سے کچھ زیادہ ہی لگاؤ تھا۔ پھول پتے پیڑ پودے اور جانور اور پرندے اسے بہت پیارے لگتے تھے۔

دو سال پہلے جب وہ چوتھی کلاس میں پڑھتی تھی، اپنی سہیلیوں کے ساتھ اسکول سے گھر لوٹ رہی تھی، تو ایک بوڑھا ضعیف آدمی ایک بکری اور اس کے بچے کو اپنی کسی مجبوری کے تحت قصائی کی دکان پر بیچنے کے لیے لے کر جا رہا تھا کہ شانو کی نظر بکری کے بچے پر پڑ گئی۔ وہ بچہ اسے بے حد پیارا لگ رہا تھا۔

نرم و نازک لمبے لمبے کان چھوٹا سا پیارا منھ، تھکا ہارا بوڑھا جس کی آنکھیں دھندلی سفید، جھکی ہوئی کمر، پھٹی بنیان، میلا پرانا پاجامہ پیاس سے نڈھال ایک پیڑ کے تنے سے ٹیک لگا کر کچھ دیر کے لیے بیٹھ گیا تھا۔

شانو نے اپنا واٹر بوتل بیگ سے نکال کر بوڑھے کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا ''پانی پیو گے بابا؟'' کسی بھی کمزور بیمار اور مجبور آدمی کو کوئی پوچھ لے تو اسے خوشی ملتی ہے اور اپنے ہونے کا احساس جاگ جاتا ہے۔ اس چھوٹی بچی کو خود سے مخاطب پا کر بوڑھے کی دھندلی آنکھوں میں پیار کی روشنی چمک اٹھی اور آنکھوں سے دو بوندیں ٹپک کر دھول میں سما گئیں۔

شانو نے پانی کی بوتل بوڑھے کے ہاتھوں میں تھما دی اور لنچ باکس، سے کچھ بسکٹ نکالے اور میمنے کو دیا، میمنہ بسکٹ کھانے لگا۔

''بابا، آپ اسے کہاں لے جا رہے ہیں،'' تھک جائے گا۔

''مجبور ہوں بیٹا، بیوی بیمار ہے نہ کھانے کو اناج ہے نہ دوائی کے لیے پیسے، اس لیے انھیں قصائی کی دکان پر...''
کہتے کہتے بوڑھے کا گلا رُندھ گیا تھا۔

''یہ میمنہ مجھے دے دو نا بابا۔ میں اسے پالوں گی۔''

''نہیں، نہیں آپ گھبراؤ نہیں بابا آپ میرے گلک کے سارے پیسے لے لو اس سے دوائی خرید لو۔ کہتے کہتے شانو نے جھٹ سے بیگ کے اندر سے گلک نکالا اور زمین پر پٹک دیا۔

ایک سو پچیس روپے آٹھ آنے پچاس پیسے، بچی کے پیار کا جذبہ دیکھ کر بوڑھا پھوٹ کر رو پڑا...

''میں تجھ سے پیسے نہیں لے سکتا، نہیں لوں گا۔ تو یہ میمنہ لے جا، خدا تجھے ہمیشہ خوش رکھے، معصوم بچی۔'' تیری ماں پر رحمتوں کا سایہ ہو۔

لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا بوڑھا جب اپنی منزل کی طرف مڑنے لگا تو شانو نے پیچھے سے چپکے سے اس کے

تھیلے میں گلک کے پیسے ڈال دیے۔

اس طرح ایک سو پچیس روپے پچاس پیسے میں وہ یہ میمنہ خرید لائی اور اس کا نام رکھا لالی۔ جوان ہو کر لالی بہت خوبصورت اور دودھیلی بکری نکلی۔ اس نے دو مہینے پہلے اپنے ہی جیسے دو میمنوں کو جنم دیا تھا۔ لالی کو کھولنے سے پہلے اس کے دونوں بچوں کو بھر پیٹ دودھ پلا دیا جاتا تھا، پھر بھی تھنوں میں بہت دودھ بچا رہتا۔ تب رفو اسے دوہ لیا کرتی جو گھر بھر کے لیے ہو جاتا تھا۔

صبح لالی کو کھولنے کے بعد رفو نے شفیق کا کھانا کھیت پر پہنچایا۔ بچوں کا کھانا جالی دار نعمت خانے میں اچھی طرح ڈھک کر رکھ دیا تھا اور جلدی جلدی گھر کے تمام کام نپٹانے کے بعد 'سرپنچ' صاحب کے گھر دھان صاف کرنے چلی آئی تھی اور اب شام ہونے چلی تھی رفو کو گھر لوٹنا تھا۔

سورج نے ابھی ندی کے پانی میں منھ نہیں چھپایا تھا۔ رفو گھر پہنچی تو دونوں بچے پریشان سے دکھائی دیے۔ ماں دوڑ کر ان کے پاس گئی۔ ’’کیا ہوا بچو؟‘‘ اس نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ساری بکریاں اپنے اپنے گھر پہنچ گئی ہیں۔ لیکن لالی کا پتہ نہیں۔‘‘ تب تک شفیق بھی گھر آ گئے تھے۔ رفو نے جا کر اسے بتایا کہ لالی اب تک گھر نہیں لوٹی ہے تو یہ جان کر وہ بھی پریشان ہو گیا اور نہانے کے لیے ہینڈ پمپ کی طرف اٹھتے ہوئے قدم رک گئے۔

’’بچوں کو بتا دو کہ وہ گھبرائیں نہیں، ہم دونوں چل کر ڈھونڈتے ہیں۔ چرتے چگتے اِدھر اُدھر ہو گئی ہوگی۔ تم اسے آواز لگاؤ گی تمھاری آواز سن کر وہ کہیں رکنے والی تو ہے نہیں۔ دوڑی چلی آئے گی!‘‘

لالی لالی ...پکارتے ہوئے وہ دونوں آگے بڑھتے

جا رہے تھے کہ دور سے ہلکی سی ممیانے کی آواز ہوا کے دوش پر لہراتی ہوئی آئی اور اس کے کانوں میں سما گئی۔

یہ آواز لالی کی ہی تھی، وہ لوگ دوڑتے ہوئے آواز کی سمت میں بھاگے۔ ''لالی کہیں کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گئی؟''

لالی کی آواز پتلی ندی جس میں ٹخنوں تک ہی پانی رہا کرتا تھا۔لوگ آسانی سے پیدل چل کر اس ندی کو پار کر کے جنگل میں لکڑیاں چننے چلے جاتے تھے۔ یہ جنگل چھدرا چھدرا سا تھا اور سورج کی روشنی میں سب کچھ صاف دکھائی دیتا تھا۔تو ندی پار کرتے ہی انھیں لالی دکھائی دے گئی تھی۔ وہ کہیں پھنسی نہیں تھی بلکہ ایک جگہ کھڑی ہو کر کچھ ہی قدم پر ایک ٹیلے کے پیچھے دیکھتی ممیاتی جاتی تھی، کبھی دو قدم آگے بڑھتی، کبھی پیچھے کی طرف سرک جاتی۔ انسان جب کسی کشمکش میں ہوتا ہے تو بے چینی سے ٹہلنے لگتا ہے، کبھی کھڑا ہوتا ہے، کبھی بیٹھ جاتا ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیت اس وقت لالی کی تھی۔ اس نے اپنے مالکوں کی آہٹ کو پہچان لیا تھا۔ پیچھے گردن گھما کر دیکھا بھی ہلکی آواز سے کچھ بولی بھی اور پھر چٹان کی طرف دوڑ پڑی۔

سامنے کا منظر ان کے ہوش اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔ چٹان کے سائے میں شیر کا ایک بچہ پڑا ہوا تھا۔ بھوکا معلوم ہوتا تھا۔ لالی اسی کو دیکھ کر رکی ہوئی تھی اور ممیا رہی تھی۔ اس نے پھر پلٹ کر اپنے گھر والوں کو دیکھا اور اپنے جسم کو جھٹکا سا دیا۔ دوڑ کر بچے کے پاس پہنچی اور اپنے دودھ سے بھرے تھنوں کو بچے کے منھ کے سامنے کر دیا۔ کئی دنوں سے بھوکے بچے نے پیٹ بھر کر لالی ماں کا دودھ پی لیا تھا، لالی کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ ڈر بھی رہی تھی اور اسے شیر کے بچے پر رحم بھی آ رہا تھا۔ مالکوں کے ساتھ جاتے جاتے اس نے پھر ایک بار اس معصوم بچے کی طرف قدم بڑھایا۔ اسے ہلکے سے چاٹا اور چلنے لگی۔ بکری کا دودھ پی کر شیر کے بچے میں تھوڑی طاقت آ گئی تھی۔ بار بار لالی کے قدم رک جاتے تھے اور وہ رک کر پیچھے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

یہ ایک انوکھا قافلہ تھا جو شام کے دھندلکے میں جنگل سے نکل کر ندی پار کرتے ہوئے بستی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اب تک جو بھی واقعہ گزرا وہ ایک خواب کی مانند تھا۔ رفو اور شفیق کو لگ رہا تھا کہ وہ خواب میں چل رہے ہیں۔ دو انسانوں، ایک بکری اور ایک شیر کا اس طرح چلنا لوگوں کے حواس چھیننے کے لیے کافی تھا۔

لالی کے اس نئے بچے کا نام شانو نے شیرو رکھا، لالی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ شیرو کو بھی دودھ پلاتی رہی۔ لالی ماں کا دودھ پینے کے بعد شیرو سونو اور مونو کے ساتھ کھیلتا رہتا۔

اس طرح چھ مہینے بیت گئے۔ شیرو اب اچھا خاصہ صحت مند کب (CUB) ہو گیا تھا اور اس انوکھے واقعے کی گونج آس پاس کی بستیوں تک بھی پہنچ چکی تھی اور اُدھر کے لوگ اِس انوکھی کہانی کے ہیرو شیرو کو دیکھنے کے لیے آنے لگے تھے، شیر اور بکری کا یہ ملن دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی رہ جاتی تھیں۔

دھیرے دھیرے شیرو نے دودھ روٹی بھی کھانی شروع کر دی تھی۔ لالی ماں کے دودھ میں بھیگی ہوئی جو کی سوندھی سوندھی روٹی ...... لیکن تمام بستی والوں کے دل میں ایک ڈر بھی گھر کیے بیٹھا تھا۔ ’بڑے ہونے کے بعد اسے اس کی اصل خوراک کی طلب ہوئی تو...؟‘‘

وقت کا پنچھی اپنے سیاہ و سفید پنکھ پھیلائے اڑتا رہا... ایک سال کا وقفہ گزر گیا۔ لالی نے پھر سے دو بچے دے دیے۔ پہلے والے بچوں سے بھی زیادہ خوبصورت اور بھولے بھالے...

اس بار کی گرمی اپنے ساتھ بہت تیزی لائی تھی، ندی

تالاب اور کنوئیں سب سوکھ گئے تھے، جنگلوں کے پیڑ کٹ جانے کی وجہ سے بڑی تباہی آئی تھی۔ بھوکے پیاسے جانوروں کے جنگلوں سے باہر آ کر بستیوں پر ہلا بولنے کی خبریں آنے لگی تھیں۔ بندروں نے گھروں میں گھس کر ہنڈیا چرانی شروع کر دی تھیں۔ ہاتھی فصل اجاڑنے میں لگے تھے۔ لکڑ بگھے مویشی اٹھا لے جا رہے تھے۔

اِدھر کچھ لکڑ بگھوں نے انسانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اٹھا لیے تھے۔

ایک رات جب رفو اور شفیق اپنے دونوں بچوں کے ساتھ آنگن میں سو رہے تھے۔ یکا یک توڑ پھوڑ اور لالی کے چلانے کی آواز سے وہ لوگ جاگ گئے۔

آنگن کا دروازہ کھول کر باہر جھانکنے پر ان کے حواس گم ہو گئے۔ کئی لکڑ بگھوں نے مل کر لالی کے باڑے پر حملہ کر دیا تھا۔ لالی کے بچے اٹھانے والے تھے کہ شیرو ان سے بھڑ گیا تھا اور اکیلے ہی ان سے جوجھ رہا تھا۔ تب تک شور سن کر محلے کے تمام لوگ لاٹھیاں اٹھا کر اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور لکڑ بگھوں پر برسانے لگے۔

آخر لکڑ بگھوں کو میدان چھوڑنا پڑا۔ شیرو انھیں دوڑاتے دوڑاتے جنگل کے اس پار پہاڑوں کی طرف کھدیڑ ڈالا۔

اس مہم میں شیرو کو بھی کافی زخم لگے تھے، لیکن اپنی جان پر کھیل کر اس نے اپنی لالی ماں کے چاروں بچوں کو بچا لیا تھا!

اس واقعے کو کئی سال بیت گئے ہیں۔ شیرو اب ایک جوان اور بے حد خوبصورت نر شیر بن چکا ہے، لیکن اب بھی وہ دودھ روٹی ہی کھاتا ہے۔ بستی والے سب مل کر اس کی خوراک پوری کرتے ہیں۔

اِدھر کئی فاریسٹ آفیسرس بھی اس بستی میں آ آ کر بکری کے بیٹے شیرو کو دیکھ چکے ہیں۔ گھاٹی میں نئے جنگل اُگ آئے ہیں۔ جہاں نئے سرے سے پرندوں اور جانوروں کو بسانے اور ان کی نسل افزائی کا پلان بن رہا ہے، ان میں اس انوکھے شیر کا نام بھی شامل ہے۔ لیکن کیا شیرو اپنی لالی ماں کے اس چھوٹے سے باڑے کو چھوڑ کر ان کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہو جائے گا؟ وہ لوگ اسے زبردستی لے کر بھی گئے تو لالی ماں کے دودھ میں بھیگی ہوئی روٹی کون کھلائے گا—؟''

■

Sheereen Niyazi
Teachers Colony
River Side, Bhurkunda
Ramgarh- 829135 (Jharkhand)
Mob.: 9234033364

جواب

1	برج خلیفہ	2	جاپان	3	مور	4	آگرہ
5	3600	6	ایشیا	7	سفید	8	28
9	نیل آرم اسٹرانگ	10	کاربن ڈائی آکسائڈ	11	دیوالی	12	3 اپریل 1973
13	آگرہ	14	چارلس بیج	15	سی پی یو	16	نیل
17	گوا	18	رابندر ناتھ ٹیگور	19	ممبئی	20	انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن

سراج عظیم

رَشّو بَھیّا اور چلنے والی اچپٹی

رَشّو بھیّا سیکنڈ کلاس میں پاس ہوگئے۔ اب تھرڈ کلاس میں آ گئے تھے۔ دادا دادی نے سارے چچاؤں نے ان کو بڑے تحفے دیے تھے۔ کسی نے چاکلیٹ کا پیکٹ تو کسی نے ٹی شرٹ کسی نے کھلونا۔ ان کے ایک چچا نے انھیں کلائی گھڑی دی تھی۔ دادا نے ان سے پوچھا ''ہاں بھئی بھیّا!!! بتاؤ... کیا انعام لوگے۔'' رَشّو بَھیّا شاید اسی انتظار میں تھے۔ جلدی سے لپک کر بولے۔ ''دادا!! میں چلنے والی اچپٹی لوں گا'' دادا سمجھ نہیں پائے۔ فوراً بولے ''کیا؟ چلنے والی!! لوگے، کیا بھیّا؟'' ''ارے!!! دادا!! آپ سمجھتے نہیں ہیں۔ ارے وہ جو اچپٹی ہوتی ہے، چلنے والی!! وہ'' رَشّو بَھیّا نے بڑے جھنجھلاہٹ میں جواب دیا۔ ''اماں!! بھیّا، تم پتہ نہیں کیا چلنے والی کہہ رہے ہو۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔'' دادا نے بھی جواب دیا۔ ''ارے دادا آپ بالکل بے کوف ہیں (وہ بیوقوف کو بے کوف کہتے تھے۔ بیوقوف دادا سے سن لیا تھا۔ جو لفظ دادا کہتے اس کو ضرور استعمال کرتے۔) ارے وہ میری دوست ہے نہ کلاس میں 'نِشٹھا' وہ اپنے پاپا کے ساتھ چلنے والی اچپٹی لائی تھی۔'' انھوں نے دادا کو سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔ دادا سمجھ گئے تھے۔ زیرلب مسکرائے۔ ''ہاں بھیّا ساری عقل تو تمھارے پاس پہنچ گئی تو اب ہمارے پاس بے وقوفی کے علاوہ کیا بچا...'' ان کی دادی بھی دادا کے پاس بیٹھی تھیں۔ وہ بھی بولیں۔ ''ہاں اور کیا دادا کو کیا معلوم چلنے والی اچپٹی کیا ہے؟'' رَشّو کو جو حمایت ملی تو فوراً چہک کر دادی سے مخاطب ہوئے۔ ''ہاں! دادی، دادا بالکل بچوں کی باتیں کرتے ہیں۔ انھیں چلنے والی اچپٹی ہی نہیں معلوم'' ''ارے ہاں!! بھیّا تمہارے دادا ایسے ہی ہیں۔ انھیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ بس باتیں کرتے ہیں۔'' دادی نے ان کو اور ہوا دے دی۔ ''ہاں دادی، دادا نے اتی دیر سے دماغ چاٹ لیا، کِتّا بتا رہا ہوں دادا چلنے والی اچپٹی، چلنے والی اچپٹی۔ دادا کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا ہے۔ میری دوست ہے نہ وہ نِشٹھا اس کی بھی چلنے والی اچپٹی ہے۔'' رَشّو اب دادی سے باتوں میں لگ گئے تھے۔ دادا ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہے تھے۔ رَشّو کے ایک چچا دبئی میں رہتے تھے۔ یہ ان سے بھی ٹیلیفون پر لمبی باتیں کرتے تھے وہ ان سے کوئی نہ کوئی بات کہہ دیتے پھر رَشّو اور ان جواب در جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ وہ دبئی سے چھٹیوں میں آج آنے والے تھے۔ ان کو لینے کے لیے دوسرے چچا اور ان کے پاپا ایئر پورٹ گئے ہوئے تھے۔ رَشّو کو بتایا نہیں تھا ورنہ وہ بھی وہاں جانے کی ضد کرتے۔ ابھی یہ دادا اور دادی سے بحث و مباحثہ میں لگے ہوئے تھے کہ ان کے چاچا آ گئے۔ وہ جیسے ہی اندر آئے۔ رَشّو بَھیّا چونک کر بڑوں کے انداز میں بولے۔ ''ارے قیصر چاچا آپ کیسے آ گئے۔ بتایا بھی نہیں۔ میں آپ

سے چلنے والی اچیٹی منگواتا۔''

''اماں!! ہاں بَھیّا بس آ گئے ہم نے کہا چلو چندو (قیصر ان کو چندو کہتے تھے) کو پاس ہونے کی مبارکباد دے دیں۔'' قیصر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔''ارے واہ!! قیصر چلیے لاجپت نگر مجھے چلنے والی اچیٹی دلانے'' رَشّو بَھیّا کا رخ فوراً ان کی طرف ہوگیا۔ قیصر سمجھ گئے تھے۔ مسکراتے ہوئے بولے۔''چلنے والی اچیٹی !! کیسی'' ''ارے قیصر چاچا وہ جو پہیوں سے چلتی ہے۔ وہی جس کا ہینڈل پکڑ کر چلاتے ہیں۔ وہ'' رَشّو بہت سمجھاتے ہوئے بتا رہے تھے۔''اماں!! یار تم بھی پورے بدھو ہو!! ٹرالی بیگ کو کہہ رہے ہو، توبہ توبہ!!!'' قیصر چاچا نے جلدی سے اپنی بڑی اٹیچی کھولی اور اس میں سے ایک خوبصورت سا اسکول کا ٹرالی بیگ نکال کر دیا۔ رَشّو بَھیّا کی باچھیں کھل گئیں۔''ارے قیصر چاچا آپ کو پتہ تھا۔ چلنے والی اچیٹی کا۔ دیکھا دادا یہ ہوتی ہے چلنے والی اچیٹی'' ان کا رخ دادا کی جانب ہوگیا تھا۔ ان سے ناک نتھنے پھلائے اور آنکھوں میں تھوڑی سی خفگی لیے ہوئے وہ دادا سے کہہ رہے تھے۔''اچھا بَھیّا اس کے پیسے تو دلوا دو اپنے پاپا سے'' قیصر نے چھیڑتے ہوئے کہا۔''پاپا کیوں دیں گے۔ دادا دیں گے'' رَشّو بَھیّا جلدی سے بولے۔ دادا نے فوراً جواب دیا''نا بَھیّا ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اپنے پاپا سے دلواؤ''''نہیں !! بَھیّا دادا یہ غلط بات ہے'' رَشّو بڑے معصوم انداز میں بولے۔ اور پورے گھر میں زوردار قہقہے گونج رہے تھے۔

■

Mohammad Siraj Azeem
A-47, Zakir Bagh
Okhla Road, Jamia Nagar
New Delhi-110025
Mob:9990661282

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.. ......بتاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 , Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

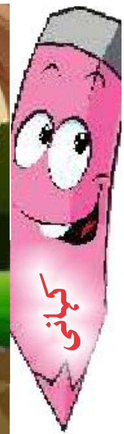

ٹپکہ

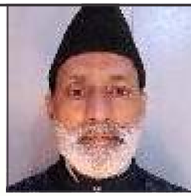
سید عرفان فہیم علی

سید عرفان فہیم علی کا تعلق مراد آباد، یوپی سے ہے۔ جگر مرادآبادی کے دوست چنچل مرادآبادی کے نواسے ہیں۔ بچپن سے ہی علم و ادب سے لگاؤ تھا، چھوٹی عمر سے شاعری کی طرف راغب ہوئے۔ بعد میں شاعری کو ترک کرکے افسانے اور بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے لگے۔ ملک کے مشہور اخبارات و رسائل میں ان کے افسانے اور بچوں کے لیے لکھی گئی کہانیاں شائع ہوتی رہی ہیں۔ فی الحال افسانوی مجموعہ 'بہت دیر کر دی' اور بچوں کی کہانیاں 'دھتورے کا کمال' زیر ترتیب ہیں۔

دونوں ایک ہی قبیلے کے بچے تھے، ساتھ ساتھ پلے بڑھے۔ ماں باپ کا لایا ہوا کھا کھا کر شیر جیسے جوان ہو گئے، کوئی کام دھام تو تھا نہیں... سارا دن دھما چوکڑی مچانا، گھومنے پھرنے اور کھانے میں وقت گزاری کرتے، ہر وقت اچھل کود ان کی شرارتوں سے کوئی محفوظ نہیں رہتا۔ کسی میں ہمت بھی نہیں تھی کہ کوئی ان کے کارناموں کی شکایت کر سکے اور پھر کوئی ان کی شکایت کرتا بھی کیسے...؟ ان کے بڑے تو خود دوسروں کو ستانے کے لیے دور دور تک جانے جاتے، وہ جدھر کو نکل جاتے سناٹا چھا جاتا اور جو ان کی گرفت میں آ جاتا سمجھ لو اس کی خیر نہیں۔ ان دونوں میں بھی وہی خمیر پایا جانے لگا... جہاں اپنے سے کمزور کو دیکھا، پکڑا، چیرا پھاڑا اور ہضم کر جاتے کچھ دیر آرام کرتے اور پھر سے کسی نئے شکار کی تلاش میں نکل جاتے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے۔

سورج کی کرنیں پھوٹنے سے پہلے ہی دونوں اپنے اپنے گھروں سے نکل کر تالاب کی طرف چلے جاتے، اچھل کود کرنے اور لوگوں کو ستانے کے بعد تھک ہار کر ہری ہری گھاس

پر دھوپ سے تھکن مٹانے کے لیے بے سدھ ہو کر پڑ جاتے اور جب سورج اپنی تیزی دکھانی شروع کرتا اس تپش کی تاب نہ لاکر اٹھ کھڑے ہوتے اور پھر سے انھیں خرافات میں مشغول ہو جاتے...

دونوں کافی حد تک ہوشیار اور جوان ہو گئے تھے۔ اپنے کھانے پینے کا جگاڑ خود ہی کر لیا کرتے تھے، دھوپ سے بچتے بچاتے گھنی جھاڑیوں کی طرف چلے ہی تھے کہ ایک ہرن کا بچہ آرام کرتا نظر آ گیا، دونوں نے بنا آواز کیے اس پر حملہ کر دیا اور جب تک وہ سنبھل کر بھاگنے کی کوشش کرتا تب تک اس کی گردن میں وہ اپنے دانت پیوست کر چکے تھے۔ اس کا کام تمام کر کے تالاب پر پہنچے، پانی پیا اور شام تک آرام کرتے رہے۔ آرام کر کے جب اٹھے تو پھر سے کچھ کھانے کی خواہش نے بے چین کر دیا.... دونوں نے ایک دوسرے کو غور سے د یکھا جیسے کہہ رہے ہوں ”یار...! ہم جیسا خوش قسمت شاید ہی کوئی اور ہو...! سارا دن دھوم دھڑا کہ کھانا اور آرام کرنا کس کے نصیب میں...؟“ ”ہاں ایک بات مجھے بھی روز پریشان کرتی ہے کہ ہم جیسے چاہتے ہیں گھومتے پھرتے اور کھاتے پیتے ہیں مگر آج تک کسی انسان کا مزہ نہیں چکھ سکے“ ”ہاں یار..! بات تو تیری درست ہے مگر یہ سب ہماری پہنچ سے بہت دور کی بات ہے، انسان بڑا عقل مند اور طاقتور ہوتا ہے، ان کے پاس ہتھیار ہوتے ہیں، ان کے پاس ہتھیار ہوتے ضرور ہیں مگر ہم تو جنگل کے راجا کہلاتے ہیں۔ اب تک ہمیں کوئی مل ہی نہیں سکا“ ”دوست...! فکر کیوں کرتے ہو...؟ چلو آج ہی سے شروعات کرتے ہیں آدم خوری کی۔ یاد ہے وہ بڑھیا...؟ ارے جس کی لنگڑی بکری ہم نے ماری تھی۔ وہ جنگل میں اکیلی رہتی ہے دن بھر بکریاں چرا کر گھر آتی اور دودھ دوہ کر رکھ دیتی۔ ضرورت مند لوگ اس سے دودھ خرید کر لے جاتے۔ چلو آج اسی کے گھر پر دعوت ہوگی۔ کالی گھٹاؤں کے بعد بارش

ہونے لگی، دور تک اندھیرا چھایا ہوا تھا البتہ کسی کسی گھر میں چراغ ٹمٹما رہے تھے، بوڑھی عورت نماز میں مشغول تھی۔ یہ دونوں اس کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے تاکہ اس کے باہر نکلتے ہی چیر پھاڑ کر ہضم کر جائیں۔ وہ نماز سے فارغ ہوکر رب سے دعا کر رہی تھی، اے پروردگار...تو تو سب کچھ جانتا ہے میں یہاں جنگل میں تنہا رہتی ہوں...میرا یہاں کوئی سہارا بھی نہیں ہے۔ ایک بیٹی ہے جو بیاہ کے لائق ہوچکی ہے تونے اب تک انسانی حیوانوں سے ہم ماں بیٹی کی حفاظت کی ہے ورنہ درندے نوچ نوچ کر برباد کردیتے، میں نے اس کو شہر اس لیے بھیج دیا ہے تاکہ وہاں کے رہن سہن کو سمجھ لے اور کوئی اس کی پرورش پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ کچھ دن پہلے ہی تو میرے بھائی نے آکر بتایا تھا کہ آپا...! تمھاری بیٹی اب پڑھنے لکھنے میں کافی دلچسپی لینے لگی ہے، بہت جلد شہر کے ایک اچھے سے مدرسے میں اس کا داخلہ کرادیا جائے گا۔ وہ پڑھ لکھ کر کسی قابل بن جائے گی تو کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر اس کی شادی کا انتظام کیا جائے گا۔ پروردگار تو نے میرے بھائی کو اس قابل بنایا کہ اس نے میری بیٹی کی ذمے داری اپنے سر لے رکھی ہے ورنہ کون کس کا خیال رکھتا ہے... جب کہ وہ میرا سگا بھائی بھی نہیں ہے۔ یہ بھی ایک عجیب کہانی ہے شہر میں ایک بار ڈینگو یعنی گردن توڑ بخار یعنی لال بخار کی وبا دور دور تک پھیلی ہوئی تھی ڈاکٹروں کی ساری دوائیں ناکام ہوچکی تھیں، موتوں کا سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا، تمام باغوں کے پپیتے کے پیڑوں سے پتے توڑ لیے گئے، شہروں میں بکری کا دودھ عنقا ہو گیا، لوگ بکری کے دودھ کے لیے ترس رہے تھے۔ اس بھائی کو کسی نے بتایا کہ جنگل میں ایک عورت رہتی ہے جس کے پاس بہت ساری بکریاں ہیں، وہ میرے پاس آیا اور روتے ہوئے کہنے لگا بہن...! میری بیوی اور بچے ڈینگو جیسے جان لیوا مرض میں گھرے ہوئے ہیں بس میں بھی اس کی بات سن کر رو پڑی اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اس بہن کے ہوتے ہوئے تیرے بیوی بچے بکری کے دودھ کو ترسیں ایسا کبھی نہیں ہوگا، اسی وقت میں نے ساری بکریوں کا دودھ نکال کر اپنے بھائی کو دے دیا۔ میں دودھ بیچنے کے بجائے روز سارا دودھ اپنے بھائی کے پاس پہنچانے لگی۔ رب کی مہربانی کہ بکری کے دودھ اور دیسی دوائیوں سے میرے بھائی کا گھر برباد ہونے سے بچ گیا۔ وہ دن اور آج کا دن ہم سگے بہن بھائی کی طرح رشتہ رکھتے ہیں۔ اب تو کوئی فکر نہیں کوئی تکلیف بھی نہیں سب تیرا کرم ہے آقا، تیرے ہی سہارے سے اس ویران جنگل میں رہ رہی ہوں اور مجھے کوئی پریشانی بھی نہیں ہے، بس ایک خوف ہے جو مجھے چین سے رہنے نہیں دیتا، میں اگر ڈرتی ہوں تو بس اس بدبخت ٹپکے سے...اس نے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے۔ اس ٹپکے سے تو ہی میری حفاظت فرما۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہے تھے یار...! یہ ٹپکہ ہے کون...؟ کیا یہ ہم سے بھی زیادہ طاقت ور ہے...؟ سب ہم سے ڈرتے ہیں اور بڑھیا اس ٹپکے سے ڈرتی ہے...چلو یہاں سے نکلو ...بڑھیا کو جنگل کے خطرناک جانوروں سے ڈر نہیں لگتا، ڈرتی ہے تو صرف ٹپکے سے، کیا یہ ہمیں بھی ختم کر ڈالے گا...؟'''ہاں لگتا تو ایسا ہی ہے'' مگر یہ تو جاننا ہی پڑے گا کہ یہ ٹپکہ ہے کون اور لوگ اس سے کیوں ڈرتے ہیں ...؟ کیا کسی دوسری دنیا سے آکر حملہ کرتا ہے...؟ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے بڑے اس حوالے سے ضرور بتاتے۔

■

Syed Irfan Fahim Ali
Kalapyada, Sambhali Gate
Moradabad- 244001 (UP)
Mob.: 7906339574

کہانی

شاداب ابراھیم

مُذکِّر اور مینا

مذکر پہلی بار گاؤں آرہا تھا، اس کی عمر چھ سال تھی، ٹرین اسٹیشن پر پہنچنے ہی والی تھی، دور دور تک ہریالی ہی ہریالی، گویا مخملی قالین قدرت نے بچھادی ہو، کہیں کہیں سرسوں اور سورج مکھی کا کھلا زرد پھول، صبح کی سہانی کرنوں کی جھلمل جھانکی سے جھانکتے ہوئے اونچے اونچے درخت، شبنم کے پگھل کر ٹپکتے ہوئے قطرے، مچلتی ہوا، سہانا موسم، مذکر کھڑکی سے جھانک کر فطرت کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہورہا تھا، اسے ٹرین کے اسٹیشن پر پہنچنے کا احساس ہی نہیں ہوا، والد نے کہا: مذکر.... مذکر .... ٹرین اسٹیشن پر پہنچ چکی ہے .... تم اتنی دیر سے کھڑکی سے جھانک کر کیا دیکھ رہے ہو!

کیا ہم گاؤں پہنچ چکے ہیں؟ مذکر نے ٹرین سے اترتے ہوئے والد سے پوچھا:

نہیں .... نہیں ... بیٹا ہم ابھی گاؤں نہیں پہنچے ہیں، بس چندمیل کی دوری پر ہمارا گاؤں ہے، یہاں سے ہم یکہ پر جائیں گے سڑک کچی ہونے کی وجہ سے کوئی دوسری سواری نہیں چلتی ہے۔

کھیتوں کے درمیان کچی سڑک سے گزرتے ہوئے یکے پر بیٹھے مذکر کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہورہے تھے، اُڑتے پرندے، طوطا، مینا، کوا، کوئل، باز شکرہ، سارس، بگلا، گوریا بلبل، رنگ برنگی تتلیاں، نیلی کالی زعفرانی، سرخ سفید زرد، مختلف قسم کے پالتو جانور، گائے بیل، بھینس اور بکریاں زندگی میں پہلی بار وہ اس طرح کھلے آسمان کے نیچے چل رہا تھا، شہر میں بلند عمارتوں کی وجہ سے اُگتے سورج اور اُڑتے پرندوں کو دیکھنے کا کبھی موقع ہی نہیں ملا تھا، وہ خود میں مگن تھا، کسی سے کوئی مطلب ہی نہیں تھا، والدین کے ساتھ بھائی بہن بھی مذکر کی اس بیخودی کو دیکھ رہے تھے اور فطری مناظر سے اس کی دلچسپی کو دیکھ کر تعجب بھی کر رہے تھے، یکہ گھر کے سامنے اچانک رکا تو مذکر کے خیالوں کا بندھن ٹوٹا، اس نے والد سے پوچھا، لگتا ہے ہم اپنے گاؤں پہنچ چکے ہیں!

ہاں....ہاں .... یقیناً ہم اپنے گھر پہنچ چکے ہیں، والد نے کہا۔

یکے سے سامان اتارا گیا، مذکر اپنی والدہ کے ساتھ گھر

میں داخل ہوا اس کی نگاہیں شہر کی طرح ہر طرف سے بند گھر کو تلاش کر رہی تھی مگر یہاں تو معاملہ برعکس تھا، وسیع آنگن، کھلا آسماں، کچھ دیر تو اسے اس طرح کے ماحول کو دیکھ کر برا محسوس ہوا لیکن جیسے ہی اس کی نگاہیں مرغیوں پر پڑیں، کبوتر کے گھونسلے کو دیکھا اور بکریاں اس کے اردگرد آ کر کھڑی ہو گئیں تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا، مرغیوں کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑا مگر ایک بھی مرغی اس کے ہاتھ نہیں لگی پھر اس نے بکریوں کو پتیاں کھلانا شروع کیا، بکریاں جیسے جیسے پتیاں کھا رہی تھیں اس کا چہرہ کھلتا جا رہا تھا، کبھی والد کو دیکھتا تو کبھی والدہ کو، دادی کو تو اس نے ہاتھ پکڑ کر بکریوں کے پاس ہی لے آیا، اس منظر کو دیکھ کر دادا کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی، سورج ڈوبنے تک مذکر گھر کے کونے کونے سے مانوس ہو چکا تھا، اِدھر سے اُدھر، کبھی کبوتر کبھی مرغی، کبھی بکری کبھی خرگوش، کبھی بطخ کبھی بلی، تھکن کا احساس ہی نہیں تھا، والد نے کہا! بیٹے.... دن بھر تم نے دوڑ بھاگ کی ہے، ایک بار بھی سکون سے نہیں بیٹھے، اب شام ہو چکی ہے، کل کھیلنا، تمھیں کل آم کے باغ بھی لے چلیں گے، مذکر والد کی باتوں کو اَن سنا کرتے ہوئے اپنی دھن میں مگن رہا، دادا نے جب آواز دی تب جا کر مذکر نے بکریوں کا پیچھا چھوڑا اور دادا کے پاس آ کر بیٹھ گیا، کیا یہ بکریاں آپ کی ہیں؟ آپ اسے روزانہ ہری ہری پتیاں کھلاتے ہیں؟ پتیاں آپ کہاں سے لاتے ہیں؟ کیا بازار سے خرید کر لاتے ہیں؟ معصومانہ انداز میں دادا کی طرف دیکھتے ہوئے مذکر نے کئی سوال کر ڈالے۔

یہ آم اور جامن کی پتیاں ہیں، اسے بکریاں شوق سے کھاتی ہیں، خرید کر نہیں آم کے باغ سے یہ پتیاں آتی ہیں۔

مذکر اور دادا کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، شام ہو چکی تھی، شمع بھی جل چکی تھی، جس کی روشنی میں پتنگے اور پروانے اڑ رہے تھے۔ جگنو بھی جگمگ کر رہا تھا، زمین پر مینڈک اور دیوار پر چھپکلیاں پتنگوں اور ٹڈی کے شکار میں لگی ہوئی تھیں، اس منظر میں مذکر اتنا کھویا کہ دادا کا جواب دینا ہی بھول گیا، دادا نے مذکر کے کندھے پر ہلکے سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا! اب رات زیادہ ہو چکی ہے، کھانا کھا کر سو جاؤ، صبح تمھیں والد کے ساتھ آم کے باغ بھی جانا ہے، آم کے باغ کا نام سن کر دادا کے پاس سے اٹھا اور کھانا کھا کر جلدی سے بستر پر لیٹ گیا، دن بھر کی تھکان کی وجہ سے نیند بھی آ گئی مگر اتنی ہی جلدی صبح بیدار بھی ہو گیا اور والد کے ساتھ باغ کی طرف نکلا، ساتھ میں دادا بھی تھے۔

شاہراہ سے جب وہ کھیت کی طرف نیچے اترا تو اس کا پاؤں پگڈنڈی پر لڑکھڑانے لگا، وہ صحیح سے چل نہیں پا رہا تھا کیوں کہ پگڈنڈی کافی پتلی اور ٹیڑھی تھی اور دونوں طرف گیہوں کے کھیت تھے، پنگھٹ تو کسی طرح والد کی انگلیاں پکڑ کر پہنچ گیا لیکن اس کے لڑکھڑاتے پاؤں کو دیکھتے ہوئے دادا نے کندھے پر اٹھا لیا، پھر آگے کا سفر اس نے دادا کے کندھے پر کیا، باغ پہنچتے ہی کندھے سے چھلانگ لگا دی، ممکن تھا کہ اسے چوٹ لگ جاتی مگر دادا نے سنبھالا، وہ بے انتہا خوش تھا وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگا، کبھی اِس درخت تو کبھی اُس درخت کے پاس، پرندوں پر جب اس کی نظر پڑی تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا، پہلی بار وہ پرندوں کے حقیقی آشیانوں کو دیکھ رہا تھا، اس سے پہلے اس نے تصویر یا ٹیلیویژن میں ہی گھونسلوں کو دیکھا تھا، مختلف قسم کے پرندوں کے مختلف طرز کے گھونسلے، کوے کا الگ، کوئل کا الگ، بلبل کا الگ، ہدہد کا الگ، مینا کا الگ، پپیہا کا الگ، باز کا الگ، شکرہ کا الگ، اتفاق سے آم کا موسم تھا جس کی وجہ سے پرندوں کی نغمہ سنجی اور آم کی بھینی بھینی خوشبو ذہن کو خوشگوار تازگی کا احساس کرا رہی تھی، مذکر بار بار درخت

پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر ہر بار اس کی کوشش رائیگاں جا رہی تھی، جس کی وجہ سے وہ مایوس مایوس نظر آنے لگا، اس کی مایوسی کو دیکھتے ہوئے دادا نے اسے کندھے پر بٹھا لیا اور جامن کے ایک درخت پر چڑھنے لگے جس پر مینا کا گھونسلہ تھا، گھونسلے میں چھ چھوٹے چھوٹے چوزے تھے، جن کے جسم پر ابھی رواں بھی نہیں آئے تھے آنکھ بھی سہی سے نہیں کھلی تھی، جیسے جیسے دادا اوپر چڑھ رہے تھے مذکر کے کانوں میں چوزے کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی، دو مینا بھی اردگرد منڈلانے لگی تھیں اور بہت ہی تیز غصے میں چیخ رہی تھیں، مذکر کو درخت سے گرا دینا چاہ رہی تھیں، بار بار چونچ مارنے کی کوشش کر رہی تھیں، ان کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا، مذکر اپنے ہاتھوں سے انھیں بھگانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ بھاگ نہیں رہی تھیں، جسے دیکھ کر دادا نے کہا اسے بھگانے کی کوشش مت کرو، وہ کسی بھی صورت میں بھاگ نہیں سکتیں کیونکہ یہ انھیں کا گھونسلہ ہے اور اس گھونسلے میں انھیں کے بچے ہیں، وہ اپنے بچوں کو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑ سکتیں! دادا کی بات ختم ہونے سے پہلے مذکر اور دادا مینا کے گھونسلے تک پہنچ چکے تھے، چوزے پر نظر پڑتے ہی اس نے چوزے کو چھونے کی کوشش کی جسے دیکھ کر مینا چیخ پڑی تم میرے بچوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتے دور ہٹ جاؤ، کئی پرندوں کی نسلوں کو تم نے ختم کر دیا ہے، دوسری مخلوقات کو سکون سے کیوں نہیں رہنے دیتے ہو!

ہم تمھارے بچوں کو نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں، خواہ مخواہ میرے اوپر غصہ ہو رہی ہو، پہلی بار میرا گاؤں آنا ہوا ہے! مذکر نے مینا کو جواب دیتے ہوئے کہا!

زیادہ صفائی مت پیش کرو، انسان نے تو کئی مخلوقات کی نسلوں کو ہی تباہ کر دیا ہے! مذکر سے دور جامن کی ایک ڈالی پر بیٹھ کر مینا نے کہا۔

ارے تم اتنا دور کیوں ہو؟ میری طرف سے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا! معصومیت کے ساتھ مذکر نے کہا۔

نہیں ... نہیں ..... انسان تو کسی بھی صورت میں

بھروسے کے لائق نہیں! قریب آنے سے انکار کرتے ہوئے مینا نے کہا

تمھیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، پاس آجاؤ، مسئلہ کیا ہے، مجھے بھی تو بتاؤ، ہم بھی تو جانیں! بڑے ہی پیار سے مذکر نے کہا، مذکر کی معصومیت کو دیکھتے ہوئے مینا کو اس کی باتوں پر یقین آگیا اور وہ قریب کی ایک ڈالی پر آ کر بیٹھ گئی۔

تم انسانوں سے اتنا کیوں ڈرتی ہو؟ تمھیں انسانوں سے اتنی نفرت کیوں ہے؟ انسانوں سے نفرت نہیں بلکہ خوف ہے انسانوں نے ہم پرندوں کی کئی نسلوں کو ختم کر دیا ہے، بٹیر کو دیکھنے کے لیے اب ہم بھی ترس جاتے ہیں، تمھیں تو پتا ہی نہیں ہوگا کہ بٹیر کیسا ہوتا ہے! مینا نے مذکر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

بٹیر نام کا بھی کوئی پرندہ ہوتا ہے! مذکر نے تعجب سے پوچھا۔

ہاں.... ہاں .... بٹیر بھی ایک پرندہ ہوتا ہے، مٹیالے رنگ کا ہوتا ہے، اب تو وہ بہت کم دکھتا ہے۔ کیا بتاؤں؟ فضا اتنی آلودہ ہوگئی ہے کہ ہم پرندوں کا سانس لینا بھی دوبھر ہوگیا ہے اور یہ فضائی آلودگی تم انسانوں کی وجہ سے ہے، انسانوں نے وسیع پیمانے پر جنگلات کو ختم کیا ہے، نیز مختلف قسم کی مہلک گیسز ایجاد کی اور اسے جنگوں میں استعمال کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے انسان بھی متعدد جان لیوا امراض میں مبتلا ہو رہے ہیں، اس کا خمیازہ انھیں بھی بھگتنا پڑ رہا ہے جس کا فی الحال انھیں احساس نہیں ہے مگر بہت جلد نسلِ انسانی پر بھی اس کے اثرات نظر آنے لگیں گے لیکن پرندوں کی نسلیں تباہ ہونے لگی ہیں۔ افسوس ظاہر کرتے ہوئے مینا نے کہا:

فضائی آلودگی کی وجہ سے پرندوں کی نسلیں تباہ ہو رہی ہیں، کیا انھیں بچایا نہیں جا سکتا ہے، دانت سے ہونٹ کاٹتے ہوئے مذکر نے کہا:

کیوں نہیں ...... اب بھی درختوں کو کاٹنا چھوڑ دیا جائے اور جنگوں میں مہلک ہتھیار کے استعمال میں احتیاط برتی جائے اور نئے درخت لگائے جائیں تو فضائی آلودگی خود بخود کم ہوجائے گی! جس کا فائدہ صرف پرندوں کو ہی نہیں ہوگا بلکہ انسان اور دوسری مخلوقات کو بھی اس کا فائدہ ہوگا۔

بات تو تمھاری بالکل درست ہے، انسان سے خوف کھانا بھی تمہارا بجا ہے! جس شہر میں رہتا ہوں وہاں دور دور کہیں کہیں ایک دو درخت نظر آجائیں تو غنیمت ہے، وہاں تو صرف بلند عمارتیں ہی نظر آتی ہیں، نکلتے سورج کو تو پہلی بار ہم نے گاؤں میں ہی دیکھا ہے، اتنے سارے مختلف قسم کے پرندوں کو ہم نے گاؤں میں ہی دیکھا ہے، شہر میں پرندے تو نظر ہی نہیں آتے، گاؤں کتنا خوبصورت لگتا ہے، پرندوں کی وجہ سے، جانوروں کی وجہ سے، ہرے بھرے کھیت کی وجہ سے، باغات کی وجہ سے، پھول کی وجہ سے، کاش کہ پوری دنیا گاؤں کی طرح خوبصورت ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔

اب بھی پوری دنیا گاؤں کی طرح خوبصورت ہوسکتی ہے، بس انسان درختوں اور جنگلوں کو کاٹنا چھوڑ دے، جنگوں میں تباہ کن ہتھیار کے استعمال سے پرہیز کرے اور نئے درخت لگانے کی کوشش کرے! مینا نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

تمھارا یہ پیغام میرے ذریعے سے ہر جگہ پہنچے گا، نہیں تو ہماری خوبصورت دنیا کی صورت ہی بگڑ جائے گی۔

■

Shadab Ibrahim
At & Post: Bauram
Via: Biraul, PS Jamalpur
District: Darbhanga- 847203 (Bihar)

عقیل الرحمن

کیڑوں اور پرندوں کے فائدے

کہا جاتا ہے کہ پرندے انسان کے بغیر رہ سکتے ہیں مگر انسان کا گزارہ پرندوں کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اسی بات کو زیادہ واضح طریقے سے یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اگر درخت نہ ہوں تو دنیا کے سارے کیڑے مکوڑے ختم ہوجائیں، اور اگر کیڑے مکوڑے نہ رہیں تو دنیا کے سارے پرندے فنا ہوجائیں، اور اگر پرندے نہ ہوں تو دنیا میں ایک بھی درخت نہ رہے۔ اسی طرح سے قدرت کے اٹل قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر درخت نہ ہوں تو دنیا ہی ختم ہوجائے۔ ان بیانات پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ ان میں بہت بڑی سچائی چھپی ہوتی ہے۔

کیڑوں مکوڑوں کی قسموں، ان کی خوراک کی زیادتی اور ان کی تیزی سے نسل بڑھانے کی اہلیت کا اندازہ کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ جہاں تک قسموں کا تعلق ہے ہمارے ملک میں 30,000 سے بھی زیادہ قسموں کے کیڑے پائے جاتے ہیں۔ یہ تعداد پرندوں کی قسموں سے دس گنا زیادہ ہے۔ لگ بھگ تمام جاندار اور پیڑ پودے ان کیڑوں کی خوراک کا سرچشمہ بنتے ہیں، اس بات کا اندازہ بہت سے لوگوں نے لگایا ہے کہ کیڑوں کے ایک جوڑے کو کچھ عرصہ کے لیے چھوڑ دیا جائے تو ان کی تعداد کتنی ہوجائے گی۔ نتیجے میں یہ لوگ جن اعداد تک پہنچتے ہیں وہ لاکھوں اور کروڑوں ہی پر ہی نہیں ختم ہوتے بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ تک پہنچتے ہیں، کینیڈا کے ایک ماہر حشریات کا اندازہ ہے کہ اگر آلو کیڑے (Patato Bug) ایک قسم کا کیڑا جو دنیا میں تقریباً 20,000 شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس خاندان کے کافی کیڑے آباد ہیں، کے ایک جوڑے کو اگر صرف چار پانچ ماہ کے لیے بھی چھوڑ دیا جائے تو بڑھ کر ان کی تعداد چھ کروڑ ہوجائے گی۔

حساب لگایا گیا ہے کہ اگر اس تعداد کے کیڑوں کو ایک دوسرے سے لمبائی میں ملا کر اس طرح رکھا جائے کہ ایک انچ میں دس کیڑے ہوں، تو یہ جلوس اتنا لمبا ہوگا کہ روشنی کو جس کی رفتار 186000 میل فی سیکنڈ ہے، ایک سرے سے دوسرے تک جانے میں 20000 سال تک لگ جائیں گے!

کینچوے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دن میں اپنے

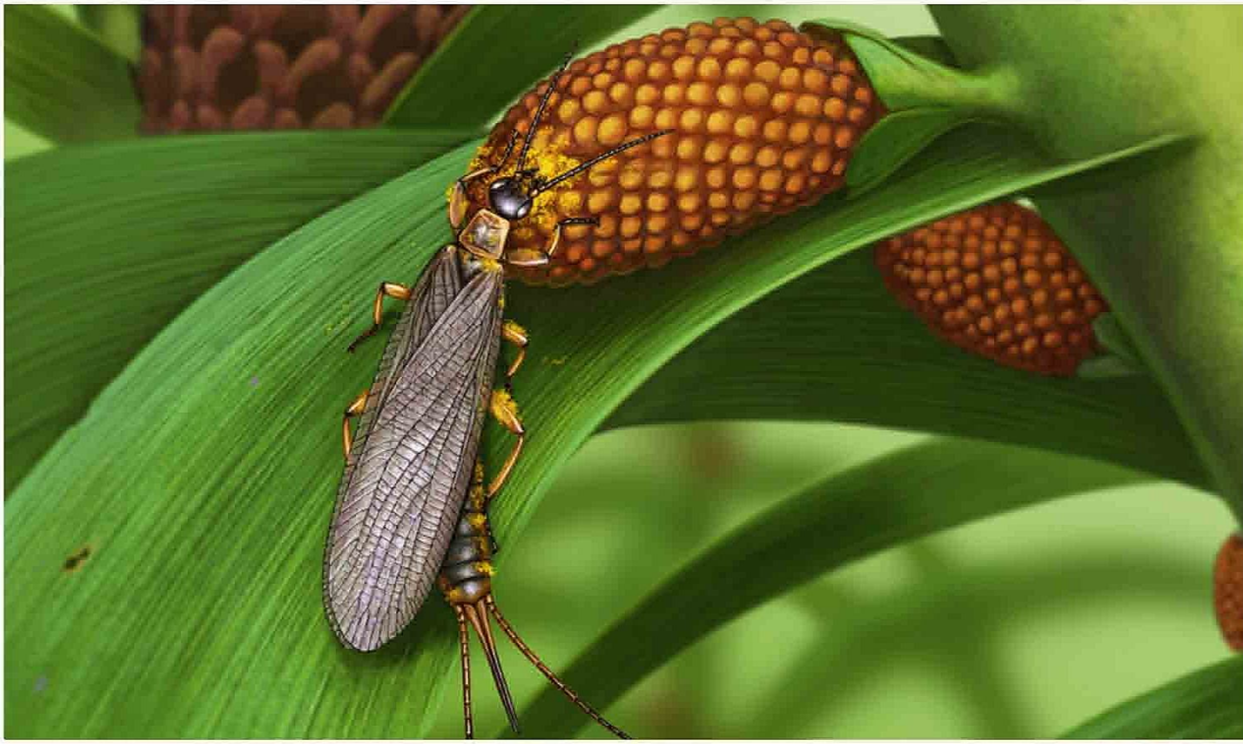

سے دوگنے وزن کے پتے کھا جاتا ہے، ایک ریشم کا کیڑا 56 دن میں اتنی فضا کھا جاتا ہے جو وزن میں اس کے انڈے سے نکلتے وقت کے وزن سے 860,000 گنا زیادہ ہوتی ہے۔ ٹڈیاں بھی اپنی بسیار خوری اور افزائش نسل کی تیزی کے لیے مشہور ہیں۔ ان کے ڈل بعض دفعہ اتنے گھنے ہوتے ہیں کہ سورج چھپ جاتا ہے، اور اسی قسم کا دل کسی سرسبز علاقے کو تھوڑی ہی دیر میں ویران کر دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

پرندوں کی روزمرہ کی خوراک زیادہ تر خوراک کیڑے مکوڑے ہی بنتے ہیں، جن میں بہت سے وہ کیڑے بھی ہوتے ہیں جو انسان کے لیے بہت ہی نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ کچھ پرندے نہ صرف اڑتی ہوئی ٹڈیوں کو کھا جاتے ہیں، بلکہ ان کے انڈے بچوں کو بھی ہڑپ کر جاتے ہیں۔ الو، باز اور دوسرے شکاری جانور جو مرغی کے بچوں اور کبوتروں وغیرہ کو لے بھاگنے والی عادت کی وجہ سے کافی بدنام ہیں، دراصل چوہوں کی، جن کی تباہ کن حرکتوں سے ہر شخص واقف ہے سب سے بڑی فطری روک تھام کا ذریعہ ہیں۔ چوتھے فصل اور اناج کو جس قدر نقصان پہنچاتے ہیں اس کا اندازہ کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے علاوہ یہ طاعون اور دیگر مہلک بیماریاں پھیلانے کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ گدھ، چیل، اور کوے وغیرہ مردار خوری میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔ ہمارے دیہات کے سڑے گلے مردہ جانوروں کو جو ہوا کو گندا کرنے اور کئی قسم کی بیماریاں پھیلانے کا سبب بن سکتے ہیں، یہ نہایت تیزی کے ساتھ کھا پی کر ختم کر ڈالتے ہیں۔ ان جانوروں کی خدمات خاص اہمیت اس وقت رکھتی ہیں جب قحط پڑتا ہے یا جب جانوروں میں کوئی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ اس وقت لاتعداد سڑتی گلتی ہوئی لاشوں کو یہ پرندے جس تیزی کے ساتھ کھا پی کر ختم کر ڈالتے ہیں، اس کو دیکھ کر انسان حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

■

ماخذ: ماہنامہ 'کھلونا'، نئی دہلی، جون 1978

جلال کے کپڑے

عبدالباری

بچے ہر لمحہ ہر پل کچھ نہ کچھ سیکھتے ہیں، ان کے سامنے آپ جو پیش کریں گے جو کریں گے وہ انھیں سے سیکھتے ہیں، پہلے زمانے میں نانی اور دادی کہانیاں سنایا کرتی تھیں وہیں سے بچوں کی تعلیم کا آغاز ہوتا تھا، ماؤں، دادیوں اور نانیوں کی کہانیوں میں ایسا سبق آموز پہلو اور عنصر ہوتا تھا جسے بچے اپنی زندگی کا لازمی حصہ بناتے تھے اور ان اخلاقی اقدار اور نظم ونسق کے اصول کو پوری زندگی برتتے تھے مگر آج جدید مواصلاتی ترقی کی وجہ سے ان چیزوں میں کمی آئی ہے اب گھر کا ماحول بالکل بدل چکا ہے، ٹی وی اور موبائل نے سب کو بلاوجہ مصروف کر دیا ہے اسی لیے اب خاندان میں ایسے افراد ہی نہیں ہیں جو بچوں کو کہانیاں سنائیں۔

اگر بچوں کو سبق آموز کہانیاں سنائی جائیں اور ایسی کتابیں پڑھنے کا عادی بنایا جائے تو ان کی اخلاقی تربیت اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ اس دور میں بھی کئی ایسے تخلیق کار ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو بچوں کے ادب کے لیے وقف کر دیا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر بانو سرتاج بھی ہیں جنھیں ساہتیہ اکادمی دہلی ادب اطفال ایوارڈ 2015 سے نواز چکی ہے۔ انھوں نے بچوں کی نفسیات اور ذہن کو سامنے رکھ کر بہت سی سبق آموز اور اصلاحی کہانیاں تحریر کی ہیں۔

ڈاکٹر بانو سرتاج کی جنگل میں منگل، اچھی سوچ کا پھل، ماحول کے محافظ، مزے کا مزا غذا کی غذا، ننھی اور نانی، شیروں کا شیر، چار کی چودہ کہانیاں، پانچ کی پندرہ کہانیاں، بڑھیا، عقل کی پڑیا اور روٹی اور شیطان کا بچہ وغیرہ کے نام سے کہانیوں پر مشتمل کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

ڈاکٹر بانو سرتاج زود نویس تخلیق کار ہیں، مجموعی طور پر 80 سے زائد کتابیں تحریر کر چکی ہیں۔ ان کی تخلیقات اور کہانیوں کے ہندی، گجراتی، تمل اور مراٹھی ترجمے بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب 16 مزاحیہ کہانیوں کا تازہ مجموعہ ہے۔ جس میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی، جلال کے کپڑے، بیوی کا بھائی، وقت کا صحیح استعمال، احمقانہ قانون، خوشی اور غم، گدھا شہر قاضی، گھوڑے کی رکھوالی، آگے کا راستہ، عقل مندی کا ثبوت، سچا حکیم، اوپر یا نیچے، ایک سیر چونا، سچا خراج عقیدت، جادو کی راکھ اور قتل عام وغیرہ کہانیاں شامل ہیں۔

اپنی بات کے عنوان سے پیش لفظ میں بانو سرتاج لکھتی ہیں ’’تجسس سے بڑا کوئی استاد نہیں ہے تو تجسس رفع کرنے کا کار نیک بچوں کے لیے لکھنے والوں کو کرنا چاہیے۔ سب کچھ جاننے کی چاہ میں بچے کتنا کچھ سیکھ پاتے ہیں، اس پر نظر رکھنا بچوں کے ادیب پر فرض ہے اور بچوں کو ادب کے ذریعے صحت مند تفریح مہیا کرانا بچوں کے ادیب کا سب سے اہم کام۔‘‘

اس کتاب میں پہلی کہانی دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہے اس میں راجا اور گوپال بھانڈ کردار کے ذریعے بڑی مزے دار کہانی پیش کی گئی ہے۔ اس میں گوپال بھانڈ کی کہانی ہے جس سے راجا کرشن چندر اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اسے اختیار دے دیتا ہے کہ جو چاہو مانگ لو، گوپال سمجھ ہی نہیں پاتا کہ کیا مانگے، مجبورا راجا سے ایک دن کی مہلت لیتا ہے، اس درمیان مہاراج کے دربار سے وابستہ ملازمین اور دیگر افراد سازش کر کے سفید ہاتھی مانگنے کا مشورہ دے دیتے ہیں، یہ سفید ہاتھی مانگ لیتا ہے، اس کے بعد درباری لوگ اس کے ہاتھی کا کھانا

شاہی باورچی خانے سے بند کروا دیتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ بہت پریشان ہو جاتا ہے، آخر میں سب کی سازشیں بے نقاب ہو جاتی ہیں اور راجا تمام خرچ شاہی محل سے کیے جانے کا اعلان کرتا ہے۔ دوسری کہانی ہے جلال کے کپڑے، اس میں ملا نصیرالدین اور ان کے دوست جلال کی دلچسپ کہانی ہے، یہ کہانی جلال کے کپڑے پر مرکوز ہے اور دوستوں کے درمیان بچپن میں جس طرح کے واقعات پیش آتے ہیں انھیں دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ تیسری کہانی ہے بیوی کا بھائی یہ سبق آموز کہانی ہے، اس میں مہارانی کا بھائی بدعنوان افسر ہے جو تمام بیوپاریوں سے رشوت مانگتا ہے، مہاراج کی بیوی کا بھائی ہونے کی وجہ سے کوئی براہ راست مہاراج کو اس کی شکایت نہیں کر پاتا ہے، تینالی رام نامی کردار بڑی حکمت سے مہاراج سے اس کی شکایت کرتا ہے اور مہاراج اس پر کارروائی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس طرح تمام بیوپاریوں کو انصاف مل جاتا ہے۔ وقت کا صحیح استعمال بہار کے متھلا دربار سے وابستہ دربھنگہ کے گونو جھا کی کہانی ہے، گونو جھا کی بیوی گونو جھا پر گائے خرید کر لانے کا دباؤ بناتی ہے، مجبوراً گونو جھا سونپور میلے سے گائے خرید کر لاتا ہے، راستے میں اسے احساس ہوتا ہے کہ لوگ اس سے سوالات کریں گے، کہ گائے کہاں سے لائے؟ کتنے میں لائے؟ کیا کھاتی ہے وغیرہ؟ تو میرا وقت بہت برباد ہوگا اس لیے وہ وقت بچانے کی ترکیب سوچتا ہے اور گاؤں کے باہر ہی کسی حیلے سے تمام گاؤں والوں کو جمع کر لیتا ہے اور سارے سوالات کے جوابات پیشگی دے دیتا ہے۔ اس کہانی میں وقت بچانے کی ترکیب ہے۔ احمقانہ قانون ایک بادشاہ اور مسخرہ کی مزاحیہ کہانی ہے، خوشی اور غم گوپال بھانڈ کی کہانی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ مہاراج سے قربت کی وجہ سے گوپال بھانڈ سے لوگ حسد کرتے تھے، گوپال بھانڈ عقل کا استعمال

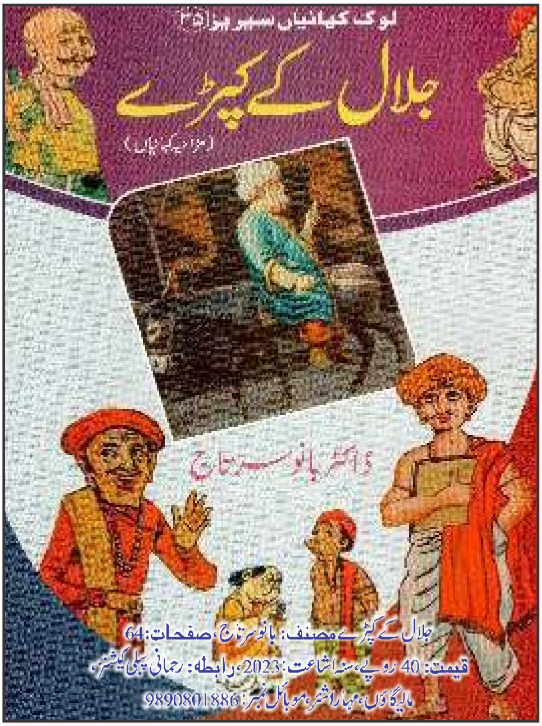

جلال کے کپڑے مصنف: بانو سرتاج صفحات: 64
قیمت: 40 روپے، سنہ اشاعت: 2023، رابطہ: رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں، مہاراشٹر، موبائل نمبر: 9890801886

کر کے خوشی حاصل کرنے کا کامیاب طریقہ بتاتا ہے۔

اس کتاب میں شامل سبھی کہانیوں میں مصنفہ نے بچوں کو کچھ نہ کچھ پیغام دینے اور سکھانے کی کوشش کی ہے۔ زبان، محاورات اور مکالمات پر بھی ڈاکٹر بانو سرتاج کو دسترس ہے۔ بچوں کی نفسیات اور ان کے ذہن و مزاج کو سمجھے بغیر اس طرح کی کہانیاں نہیں لکھی جا سکتیں۔

مصنفہ نے ان کہانیوں کے ذریعے بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کی کوشش کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہی بچے ہمارے مستقبل ہیں ان کی ذہنی نشو و نما اور تربیت و ترقی پر جس قدر زور دیا جائے ان کا اور ہمارا مستقبل اتنا ہی روشن اور تابناک ہوگا۔

■

Abdul Bari
C-145/1, GF, Tayyab Lane
Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi- 110025

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

1. دنیا کی سب سے بڑی عمارت کون سی ہے؟
2. سورج سب سے پہلے کس ملک میں نکلتا ہے؟
3. ہندوستان کے قومی جانور کا نام کیا ہے؟
4. مرزا غالب کی جائے پیدائش کہاں ہے؟
5. ایک گھنٹے میں کتنے سیکنڈ ہوتے ہیں؟
6. دنیا کے سب سے بڑے براعظم کا نام بتائیں۔
7. کون سے رنگ کو امن کی علامت سمجھا جاتا ہے؟
8. ہندوستان میں کتنی ریاستیں ہیں؟
9. چاند پر جانے والے پہلے انسان کا نام کیا ہے؟
10. درخت کس قسم کی گیس کو جذب کرتے ہیں؟
11. کس تہوار کو روشنی کا تہوار کہا جاتا ہے؟
12. موبائل فون کب ایجاد ہوا؟
13. تاج محل کس شہر میں واقع ہے؟
14. کمپیوٹر کا موجد کون ہے؟
15. کمپیوٹر کا دماغ کسے کہا جاتا ہے؟
16. دنیا کی سب سے لمبی ندی کون سی ہے؟
17. ہندوستان کی سب سے چھوٹی ریاست کون سی ہے؟
18. ہندوستان کا قومی ترانہ 'جن گن من' کس نے تحریر کیا ہے؟
19. گیٹ وے آف انڈیا کہاں واقع ہے؟
20. اِسرو کا فل فارم کیا ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 37 پر ملاحظہ فرمائیں)

امتیاز احمد انصاری

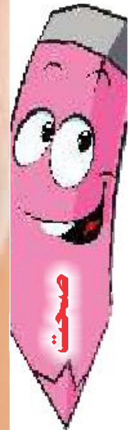

خوبصورت دانت: پرکشش شخصیت کا آئینہ

خالق کائنات نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان اور انسانی جسم کو اتنی خوبصورتی کے ساتھ اتنا منظم اور اتنے احسن طریقے سے تخلیق کیا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ چنانچہ خدا خود قران کریم کے سورۃ التین میں فرماتے ہیں:

"یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔"

اگر ہم اپنے وجود پر غور کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی کہ ہمارا یہ جسم ایک انتہائی پیچیدہ مشین کی طرح ہے جس کے پرزے کے طور پر خدا وحدہ لاشریک نے مختلف اعضا کی شکل میں جسم کے مناسب ترین مقامات پر گویا فٹ کردیا ہے۔ ان اعضا کی بناوٹ، مقام اور کام پر غور وفکر کرنے کے بعد انسان ماننے پر مجبور ہو جائے گا کہ اللہ نے انسان کو حسن صوری اور حسن معنوی کی کتنی عظیم نعمتیں عطا کی ہیں۔ ان پر جتنا زیادہ غور کرے گا اتنا ہی زیادہ اللہ کی عظمت کا قائل ہوگا اور قدرت کی معرفت بھی حاصل ہوگی۔ اس مضمون میں انسانی جسم کے ایک ایسے ہی عضو کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے جو عام طور پر زندگی کے ابتدائی اور آخری مرحلے میں ہمارے جسم کا حصہ نہیں ہوا کرتا ہے۔ جی ہاں...... آپ نے بالکل صحیح سمجھا...... میں بات کررہا ہوں دانتوں کی۔ بظاہر معمولی نظر آنے والے دانتوں میں قدرت کی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ ایک معین عمر میں کس طرح گوشت کے اندر سے دانت نکلتے ہیں۔ یہی نہیں چہرے کی مناسبت اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کا رنگ سفید رکھا گیا ہے۔ اگر یہ کسی دوسرے رنگ کا ہوتا تو چہرہ بجائے خوبصورت لگنے کے کتنا ڈراؤنا نظر آتا ہے۔ علاوہ ازیں دانتوں کا جبڑوں سے باہر نکل کر ایک خاص لمبائی پر آکر رک جانا بھی اس کارسازِ قدرت کی کتنی بڑی کارسازی ہے۔ اگر عمر کے ساتھ دانت بڑھتا ہی رہتا تو بدنما ہونے کے ساتھ ہمیں کتنی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا اس کا تصور بھی محال ہے۔ دانت صرف غذاؤں کو کاٹنے، توڑنے اور پیسنے میں مدد نہیں کرتا بلکہ چہرے کی خوبصورتی بنائے رکھنے کے ساتھ شکل و صورت اور شخصیت کو پرکشش بنانے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دانتوں کے بغیر کھلکھلا کر ہنسنا تو دور کی بات ہے الفاظ کی

صحیح ادائیگی بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ ماہرین کا یہ بھی ماننا ہے کہ دانتوں کے مطالعے سے جانوروں کے نوع، اس کی غذا اور غذائی بنیاد پر اس کی بہت ساری عادتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

علم جینیات (Embryology) کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بچے کا دانت اسی وقت سے بننا شروع ہو جاتا ہے جب وہ ماں کے شکم میں ہوتا ہے مگر پیدائش کے 6 سے 12 مہینوں کے بعد ہی دانت نکلتے ہیں۔ کچھ بچے (دو ہزار میں ایک) دانت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح کے پیدائشی دانت نچلے جبڑے سے نکلتے ہیں اور اس کی جڑیں بھی کمزور ہوتی ہیں۔ ایسے بچوں کی ماؤں کو دودھ پلانے میں کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اس دانت کو نکلوا دیا جاتا ہے۔ انسانی جسم کے دوسرے اعضا کے برعکس دانت واحد عضو ہے جو اپنے آپ کی مرمت نہیں کر سکتا کیونکہ دانتوں کا سخت بیرونی غلاف Enamel مردہ بافتوں کا مجموعہ ہے۔ غور طلب ہے کہ دانتوں کے Enamel انسانی جسم کا سب سے سخت حصہ ہے جو ہڈیوں سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ اس میں جسم کے دوسرے حصے سے زیادہ معدنیات پائے جاتے ہیں۔ یوں تو دودھ پلانے والے جانوروں کے منھ میں کسی نہ کسی قسم کے دانت ضرور ہوتے ہیں لیکن کچھ جانور مثلاً وہیل مچھلی اور پرندوں وغیرہ میں دانت نہیں ہوتے ہیں۔ مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان کی پوری زندگی میں دانتوں کے دو سیٹ نکلتے ہیں جبکہ ڈالفن میں ایک سیٹ اور شارک میں 40 سیٹ دانت نکلتے ہیں۔ دانتوں کی تعداد بھی الگ الگ جانوروں میں الگ الگ ہوا کرتی ہے۔ انسان اور بلی میں 32 دانت ہوتے ہیں جبکہ کتوں میں 42، گھوڑوں اور سوروں میں 44، ڈالفن میں 250 اور باغ کے گھونگے میں ہزاروں دانت پائے جاتے ہیں۔

غذاؤں کا کاٹنا، چبانا اور پیسنا ہی دانتوں کے اہم کام شمار کیے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کام کرنے والے غذاؤں کو منھ کی داہنی جانب سے چباتے ہیں جبکہ بائیں ہاتھ سے کام کرنے والے بائیں جانب سے چباتے ہیں۔ دانت کے منجملہ کام کے اعتبار سے قدرت نے انسان سمیت دیگر جانوروں کو چار اقسام کے دانت عطا کیا ہے۔ کاٹنے والا دانت (Incisor)، نوکیلے دانت (Caninc)، دودھ والا دانت (Pre-Molar) اور داڑھ (Molar)۔

منھ کے اندر سامنے کی طرف چھینی کی طرح پائے جانے والے دھار دار دانتوں کو کاٹنے والے دانت کہتے ہیں جس کی تعداد عموماً 8 ہوا کرتی ہے۔ غور طلب ہے کہ ژراف سمیت جگالی کرنے والے جانوروں کے اوپری جبڑے میں کاٹنے والا دانت نہیں پایا جاتا ہے۔ ان دانتوں کی قطار کی دونوں جانب موجود 4 دانت کو نوکیلے دانت کہتے ہیں۔ اس کا کام غذا یا شکار کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں لینا ہوتا ہے۔ اس کے ٹھیک بعد دودھ والا ڈاڑھ ہوا کرتا ہے۔ یہ بھی تعداد میں 8 ہی ہوتے ہیں۔ ان میں اور اصل ڈاڑھ میں فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ دودھ کے دانت کے ساتھ نکلتا ہے اور اصل ڈاڑھ بعد میں نکلتا ہے۔ اس دانت کے گر جانے کے بعد اس کی جگہ مستقل دانت نکلتے ہیں۔ ڈاڑھ دانتوں کی قطار میں سب سے پیچھے پایا جاتا ہے جس کی تعداد 12 ہوتی ہے۔

حیرت انگیز طور پر منھ کے اندر دانتوں کی سجاوٹ ہر ایک انسان میں ایک جیسی نہیں ہوتی ہے۔ جس طرح دنیا کے کسی دو انسان کی انگلیوں کے نشانات (Finger Print) یکساں نہیں ہوتے ٹھیک اسی طرح دانتوں کے نشانات بھی دو انسانوں کے کبھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ یہی جہ ہے کہ جرائم کی تفتیش کے لیے سائنسی علم کا استعمال یعنی Forensic Science میں

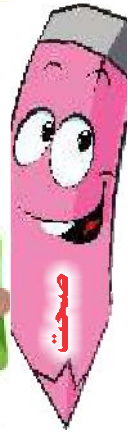

دانتوں کے پرنٹ کا استعمال کر کے مجرموں کو پکڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دانتوں کی اہمیت کے پیش نظر دندان ساز یعنی دانتوں کے ڈاکٹروں نے اس کی صفائی پر خصوصی توجہ دینے پر روز دیا ہے۔ زمانہ قدیم سے ہی لوگ دانتوں کی صفائی کا خیال رکھا کرتے تھے۔ ٹوتھ برش کی ایجاد سے پہلے دانتوں کی صفائی کے لیے لوگ اپنی انگلیوں اور بعد میں درختوں کی ٹہنیوں کو چھیل کر برش کی طرح استعمال کیا کرتے تھے۔ منھ کی صحت سے متعلق ایک رفاہی ادارے کی تجویز ہے کہ دو سے تین ماہ کے اندر ٹوتھ برش تبدیل کر دینا چاہیے۔ محققین کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کے دن بھر میں دو سے تین مرتبہ دانتوں کی صفائی کرنے سے دل کے پٹھوں کی حرکت کی بے قاعدگی کے خطرے میں 10 فیصد اور دل کا دورہ پڑنے کے خطرے میں 20 فیصد کی کمی آ جاتی ہے۔ مٹھائی اور کولڈ ڈرنکس کا استعمال دانتوں کے لیے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ ان میں موجود شوگر منھ کے اندر پائے جانے والے بکٹیریا سے تعمل کر کے ایسڈ بنا دیتا ہے جو دانتوں کے سڑنے میں مدد کرتا ہے۔ اس لیے اس طرح کی چیزوں کے استعمال کرنے یا کھانا کھانے کے بعد دانتوں کو اچھی طرح صاف کرنا یا پھر اچھی طرح کلی کرنا بے حد ضروری ہے۔ تربوز، کھیرا، ککڑی اور مٹر پھلی میں موجود پانی کی زیادہ مقدار قدرتی طور پر دانتوں کی صفائی میں مدد کرتا ہے اس لیے ان چیزوں کا استعمال دانتوں کے لیے فائدہ مند ہے اس کے علاوہ دودھ اور پنیر میں کیلشیم اور فاسفیٹ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جو دانتوں کو مضبوطی فراہم کرتے ہیں۔ دانتوں کی صفائی اور برش کرنے کے سلسلے سے ایک دلچسپ تحقیق یہ بھی ہے کہ ایک انسان روزانہ جتنا وقت برش کرنے میں صرف کرتا ہے اس اعتبار سے ایک اوسط عمر کا انسان اپنی زندگی میں اوسطاً 38 دن برش کرتے ہوئے گزار دیتا ہے۔

■

Imteyaz Ahmed Ansari
H.No. 24, Railpar, Jahangiri Mohalla
Asansol-713302 (W.B)
Mob. : 9749289061

انیس الحسن صدیقی

فخرِ ہندوستان خلائی جہاز چندریا: سوم

آج آپ اسکول کے طلبہ ہیں۔ آنے والے کل میں آپ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے ملک کومل کر سنبھالنے والے ایک ذمے دار اور اپنے ملک کے وفادار شہری ہوں گے۔ اپنا کام کسی نہ کسی ایک ماہر پیشہ ور کی حیثیت سے اپنی ذمے داری بخوبی نجام دے رہے ہوں گے۔ لیکن یہ سب جبھی ممکن ہوگا جب آپ اپنے طالبِ علمی کے زمانے میں آپ کے دماغ میں کھوج یعنی تجسس کا بھی خانہ ہوگا۔ تجسس کا مطلب ہے چیزوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانکاری حاصل کرنے کی خواہش۔ یہی خواہش آپ کو ایک ماہر پیشہ ور انجینئر، ڈاکٹر، تکنیکی ماہر، معاشیاتی ماہر، سیاسی ماہر و سائنسداں بنائے گی۔

عملی زندگی میں آپ اپنے کسی تجربے میں فیل بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اپنے وقتی فیل ہونے کا سبب تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے تو آپ ترقی کی ایک منزل طے کر چکے ہوں گے۔ آپ کا نام پوری دنیا میں مشہور ہو جائے گا اور آپ کا ملک آپ پر فخر کرے گا۔

اسی طرح ہندوستان کو اپنے خلائی مشن چندریان پر فخر ہے کہ وہ اس مشن میں دو مرتبہ فیل ہو چکا ہے۔ پچھلے دو مشن میں فیل ہونے کے اسباب جلد ہی تلاش کر لیے گئے۔ اس مرتبہ اگلے مشن یعنی مشن چندیان۔ سوم میں وہ تمام کمیاں دور کردی گئی ہیں۔

اس تیسرے مشن میں ہندوستان ضرور کامیاب ہوگا۔ کیوں ہے نہ فخر کی بات! یہی نہیں بلکہ ہندوستان کا چندیارن۔ سوم مشن چاند کے جنوبی 70 درجے عرض البلد مقام پر اترے گا جبکہ امریکہ کے ناسا کا سرویئر۔7 چاند کے جنوبی 40 درجے عرض البلد پر 10 جنوری 1968 کو پہنچا تھا اور چین کا چنگی۔4 خلائی مشن چاند کی دوری طرف جو ہم کو نظر نہیں آتی ہے اس کے 45 درجے عرض البلد جنوری 2019 میں پہنچا تھا۔

ہندوستان کا خلائی مشن چندریان۔ سوم 14 جولائی 2023 شام 2 بجکر 35 منٹ، 5 سیکنڈ پر کامیابی کے ساتھ خلائی سینٹر

ستیش دھون بمقام سری ہاری کوٹا سے داغا گیا ہے۔اس خلائی مشن چندریان۔سوم کے تحت چندریان۔سوم خلائی جہاز میں سب سے اوپر ایک کیپسول میں ایک لینڈر وِکرم اور ایک پرَگیان خودکار گاڑی سوار ہے۔ یہ وکرم لینڈر اور پرَگیان خودکار گاڑی سائنسی آلات سے لیس ہیں۔اس خودکار گاڑی اور لینڈر پر سولر پینل بھی لگے ہوئے ہیں۔اس چندریان مشن کے ہر آلات کو اِسرو تنظیم کے مرکز، بنگلور سے جوڑا گیا ہے جہاں سیکڑوں ہندوستانی سائنسداں و تکنیکی ماہرین دن رات اس مشن کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔

اب آپ ان چندریان۔سوم کی تمام تفصیل ایک کاپی میں نوٹ کرتے رہیں اور اپنی یادداشت کے لیے رکھ لیں کہ یہ کس طرح کام کرتا ہے اور کتنے دن میں یہ مشن پورا ہوگا؟

آپ یہ بھی لکھ لیں کہ اس کیپسول جس میں وِکرم لینڈر اور پرَگیان خودکا گاڑی موجود ہے اس کو پروپلزن موڈیول کا نام دیا گیا ہے۔لینڈر کی 4 ٹانگیں ہیں جن پر یہ چاند کی سطح کے اوپر جا کر ٹکیں گی۔اس وِکرم لینڈر پر خودکار گاڑی پرَگیان سوار ہے۔ان دونوں آلات میں تمام سائنسی آلات نصب ہیں جو چاند کے بارے میں تمام تفصیلات چندریان مشن کے مرکز کو وقتاً فوقتاً اپنے رسل ورسائل نظام کے تحت روانہ کرتے رہیں گے۔اس لینڈر کی نیچے راکٹ نصب ہیں جو دونوں کو خلا سے چاند کی سطح تک پہنچانے کا کام کریں گے۔اس پورے کیپسول کا نام پروپلزن موڈیول ہے جس کو آپ خلائی جہاز چندریان۔سوم بھی کہہ سکتے ہیں۔اس خلائی جہاز کا وزن 3900 کلوگرام ہے جس میں پروپلزن موڈیول کا وزن 2145 کلوگرام ہے اور وِکرم لینڈر کا وزن 1749.86 کلوگرام اور پرَگیان خودکار گاڑی کا وزن 26 کلوگرام ہے۔

یہ سب ایک کیپسول میں بند ہیں۔اس کیپسول پر ہندوستان کا ترنگا جھنڈا اور مہر بنی ہوئی ہے۔اس کے نیچے ایک فیول ٹینک اور راکٹ نصب ہیں جس پر کچھ نہیں لکھا ہوا ہے۔اس کے نیچے ایک اور فیول کا ٹینک اور راکٹ ہے جس پر اسرو کا نشان اور ہندی میں اے۔وی۔ایم۔3 اور ایم۔4 لکھا ہے۔

اس تمام ٹینک اور راکٹ کے دائیں بائیں 2 چھوٹے راکٹ نصب ہیں، جن پر ہندی اور انگریزی زبانوں میں اِسرو بھارت لکھا ہوا ہے۔انھیں دائیں اور بائیں راکٹوں اور بیچ کے فیول ٹینک اور راکٹ 16 منٹ 5 سیکنڈ میں 179 کی اونچائی تک پہنچانے کے بعد اس پورے ماڈیول سے الگ ہوگئے ہیں۔جیسا کہ اِسرو کے چیئرمین جناب ڈاکٹر ایس سوم ناتھ نے اعلان کیا۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں سے خلا شروع ہوتی ہے اور خلائی جہاز چندریان۔سوم کا سفر چاند کی سطح کے لیے شروع ہو گیا ہے۔خلا تک پہنچنے کا کام ہوائی جہاز نہیں کرسکتے کیونکہ وہ صرف ہوا میں ہی چلتے ہیں یعنی زمین کی سطح سے صرف 10 کلو میٹر کی اونچائی تک ہی جا سکتے ہیں۔اس کے بعد بہت زیادہ

طاقتور راکٹ ہی ہماری زمین کی کشش کے خلاف اور بغیر ہوا کے اُڑ سکتے ہیں اور خلا تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہماری زمین سے چاند کا فاصلہ 3,84,000 کلومیٹر ہے۔لیکن خلا میں سفر سیدھا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خلا میں ہر جرم کی کشش ہے۔کسی بھی جرم کی کشش سے باہر نکلنا اتنا آسان نہیں ہے۔اس کے لیے ہماری زمین کے گرد ایک ترجیمی مدار (Elliptical orbit) میں گردش کرتے ہوئے اپنے ترجیمی مدار کو بڑھا یا جاتا ہے۔ اس طرح کئی بار اپنا ترجیمی مدار بڑھاتے بڑھاتے خلائی جہاز ہماری زمین کی کشش سے نکل جاتا ہے۔ ہماری زمین کی کشش سے نکلنے کے لیے کئی دنوں کا سفر ہماری زمین کے گرد گردش کرتے ہوئے گزرتا ہے۔

ہماری زمین کی کشش سے نکل کر پھر چاند کی کشش میں داخل ہوتے ہیں اور پھر چاند کے گرد اپنے مدار کو ہر مرتبہ چھوٹا کرتے ہیں۔اس طرح چاند کے نزدیک پہنچنے تک کئی دن کا سفر کرنا ہوتا ہے۔

اس لیے خلائی جہاز چندریان۔سوم کو اِسرو کے سائنسدانوں نے ایک ترجیمی مداریعنی 170 x 36,500 ہماری زمین کے گرد خلا میں پہنچا کر اس کا چاند کے لیے سفر شروع کردیا ہے اور خلائی جہاز کی بھی دیکھ بھال کی ہے۔اسرو کے خلائی اسٹیشن ستیش دھون میں دن رات سائنسدانوں اور تکنیکی ماہروں کے ذریعے اس سفر کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔بالکل اسی طرح جس طرح آج کل کچھ ممالک میں بغیر ڈرائیور کے کار سڑکوں پر چلائی جاتی ہے۔یہ سب مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کا کمال ہے۔

اب دو ہفتوں تک ہر ایک دن یا دو دن کے بعد خلائی جہاز چندریان۔سوم کا ترجیمی مدار بڑھایا جائے گا۔اس طرح بڑھاتے بڑھاتے ہماری زمین کی کشش سے نکل کر چاند کی کشش میں تقریباً یکم اگست 2023 کو داخل ہوگا۔چاند کی

کشش میں داخل ہونے کے بعد وِکرم لینڈر سے پروپلزن موڈیول علیحدہ ہو جائے گا۔ پھر صرف وِکرم لینڈر چاند کے گرد اپنا مدار تین ہفتوں میں کم کرتا جائے گا۔ یہاں تک کہ 2 یا 24 اگست تک وِکرم لینڈر چاند کے گرد اپنا مدار تقریباً گولائی میں چاند سے 100 کلومیٹر کی اونچائی تک کر لے گا۔ اس طرح یہ چاند کے قریب ہو جائے گا۔ اس لینڈر کی دیکھ بھال کے لیے وہ سیارچہ جو چندریان سوم کے لیے تھا وہ ابھی تک کام کر رہا ہے۔ اس لیے وہی سیارچہ اس وِکرم لینڈر کے لیے بھی کام کرے گا۔

اسرو کے سائنسداں اور تکنیکی ماہر اس مرتبہ وِکرم لینڈر کے چاند کی سطح پر اترتے وقت بہت ہی دھیان رکھیں گے۔ چاند کی سطح پر کسی بھی لینڈر کا 100 کلومیٹر کی اونچائی سے اترنا بہت ہی دیکھ بھال کا کام ہے۔ اس مرتبہ وِکرم لینڈر میں ایک کیمرہ کی بجائے دو کیمرے نصب ہیں جو اسرو کے سائنسدانوں اور تکنیکی ماہروں کو ہر لمحے کی تصویر روانہ کرتے رہیں گے۔ وِکرم لینڈر کو چاند کی سطح پر اترنے میں 15 منٹ لگیں گے۔ یہ 15 منٹ بہت ہی نازک وقفہ ہے۔ اس کو دوسری زبان میں دہشت گردی کا وقفہ کہا جاتا ہے۔ اگر اترنے کی رفتار کا حساب لگایا جائے تو ایک منٹ میں 6.6 کلومیٹر جو بہت ہی تیز رفتار ہے۔ دعا کیجیے کہ اس دن وِکرم لینڈر چاند کی سطح پر آرام سے اتر جائے تاکہ ہندوستانی سائنسدانوں اور تکنیکی ماہروں کی محنت رنگ لائے۔

اس مرتبہ وکرم لینڈر پر چار سائنسی آلات نصب ہیں جو چاند کی سطح پر زلزلوں کے اثر، چاند کے سطح کی تھرمل خصوصیات، چاند کی سطح پر پلازما کی تبدیلیوں اور ایک غیر مزاحمتی تجربہ جو چاند اور ہماری زمین کے درمیان درست فاصلہ ناپے گا، وغیرہ کا مطالعہ کریں گے۔ چوتھا آلہ ناسا کا ہے اسی طرح 2 آلات، پرگیان خود کار گاڑی پر نصب ہیں۔ یہ 2 آلات چاند کی سطح میں کیمیائی اور معدنی ملاوٹوں کا مطالعہ کریں گے۔ ساتھ ہی ساتھ میگنیشیم، الومینیم اور لوہے جیسے عناصر کے علاوہ چاند کی مٹی اور چٹانوں کا بھی پتہ لگائیں گے۔

چاند کی کشش میں پہنچتے ہی وِکرم لینڈر سے پروپلزن موڈیول علیحدہ ہو جائے گا۔ وہ چاند کے گرد مدار میں تین ماہ سے 6 ماہ تک رہے گا۔ اسرو کے سائنسدانوں اور تکنیکی ماہروں نے اس کے ذریعے بھی ایک تجربہ کیا ہے۔

اب آپ بھی اسٹرونانٹ یعنی خلاباز بننے کی تیاری کریں کیونکہ بہت جلد ہندوستان چاند پر اپنا شہری روانہ کرنے والا ہے۔ اس لیے آپ سائنس اور ریاضی کے ماہر بننے کی کوشش کریں۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی صحت پر دھیان دیں تاکہ آپ بھی خلابازی کے لیے چنے جاسکیں۔

مجھے امید ہے کہ مندرجہ بالا معلومات کو آپ نے اپنی نوٹ بک میں لکھ لیا ہوگا۔ اللہ حافظ۔

حوالہ جات

1. اخبار دی انڈین ایکسپریس، نئی دہلی ایڈیشنز بتاریخ 11 جولائی تا 15 جولائی 2023۔
2. خلا میں ہندوستانی پروگرام کی جھلکیاں مصنف انیس الحسن صدیقی سالِ اشاعت 2018، ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، اردو بھون، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025۔
3. قاموس الاصطلاحات مصنف پروفیسر شیخ منہاج الدین۔

(تعارف جون 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

A.H. Siddiqui
Amater Astronomer, 679, Sector-22-B
Gurugram-122015
Mob.: 9654949434
Email.: aneessiddiqui2003@gmail.com

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقع کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کر سکیں۔ (ادارہ)

ماں باپ اور استاد سب ہیں خدا کی رحمت
ہے روک ٹوک ان کی حق میں تمھارے نعمت

—الطاف حسین حالی

کس طرح امانت نہ رہوں غم سے میں دلگیر
آنکھوں میں پھرا کرتی ہے استاد کی صورت

—امانت لکھنوی

ادب تعلیم کا جوہر ہے زیور ہے جوانی کا
وہی شاگرد ہیں جو خدمت استاد کرتے ہیں

—چکبست برج نرائن

دیکھا نہ کوہ کن کوئی فرہاد کے بغیر
آتا نہیں ہے فن کوئی استاد کے بغیر

—نامعلوم

وہی شاگرد پھر ہو جاتے ہیں استاد اے جوہر
جو اپنے جان و دل سے خدمت استاد کرتے ہیں

—لالہ مادھو رام جوہر

رہبر بھی یہ ہمدم بھی یہ غم خوار ہمارے
استاد یہ قوموں کے ہیں معمار ہمارے

—نامعلوم

اساتذہ نے مرا ہاتھ تھام رکھا ہے
اسی لیے تو میں پہنچا ہوں اپنی منزل پر

—اسحاق وردگ

کتنی محنت سے پڑھاتے ہیں ہمارے استاد
ہم کو ہر علم سکھاتے ہیں ہمارے استاد

—کیف احمد صدیقی

تعلیم کو لکھیں گے اگر تاج محل ہم
اس پیکر تدریس کو محراب لکھیں گے

—نامعلوم

اپنے استادوں کو پایا ہم نے مشفق مہرباں
حق نے بخشے ہیں انھیں اوصاف میر کارواں

—نامعلوم

فہم و دانائی، ہنر کا آسماں استاد ہے
علم و حکمت کی یقیناً کہکشاں استاد ہے

—نامعلوم

میں معلم ہوں کہ تدریس ہے میرا شیوہ
نامہذب کو میں تہذیب کی ضو دیتا ہوں

—محمد کلیم ضیا

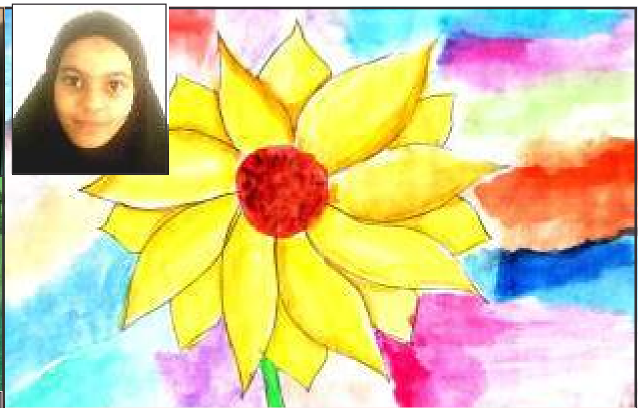

حمنہ فاطمہ، درجہ ششم، اقرا انٹرنیشنل اسکول، ناگپور (مہاراشٹر)

محمد مصعب بن مولانا عادل ندوی، درجہ ہشتم
المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

صائمہ خان ارشد خان، درجہ ہشتم
انجان گاؤں، سور جی، ضلع امراوتی، مہاراشٹر

احمد منظر، درجہ دوم اے، سید عابد حسین، سینئر سیکنڈری اسکول، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

ابوذر منتظم خان، سینٹرل پوائنٹ اسکول، ناگپور، مہاراشٹر

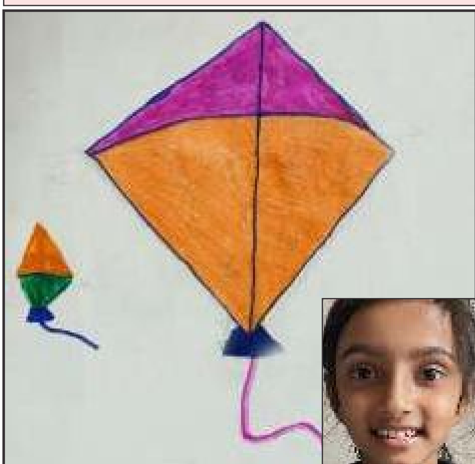

صائمہ، درجہ سوم، جامعہ مڈل اسکول، نئی دہلی

ننھے فنکار

خنساء پروین ناطق الدین پٹیل، درجہ سوم، ضلع پریشد اردو اسکول، ہاشم پور، جلگاؤں، مہاراشٹر

زویا خان، درجہ ہشتم، خدیجۃ الکبریٰ گرلس پبلک اسکول، نئی دہلی

غزالہ صدیقی، نجم الہدیٰ، جامعہ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول، نئی دہلی

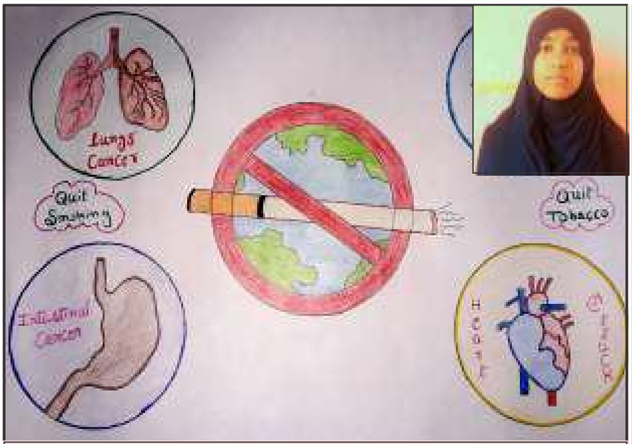

اقصیٰ انجم، درجہ یازدہم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

صوفیہ نگار، درجہ چہارم، ہدیٰ پبلک اسکول، میسور، کرناٹک

صبیحہ رئیس دعا، درجہ پنجم، وشال مہاراشٹر ایجوکیشن سوسائٹی
اردو پرائمری اسکول، پونے، مہاراشٹر

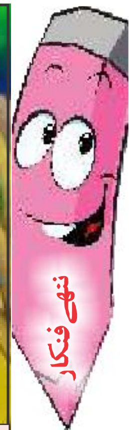

عالمین فاطمہ، درجہ ششم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پوار بستی، چکھلی پونہ، مہاراشٹر

رشدیٰ اسماعیل خان، درجہ ہفتم، فاطمہ اردو پرائمری اسکول
کرس پورہ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

شاہی عالم، درجہ سوم، دارالہدیٰ اسلامک اکیڈمی، بھیم پور، ویسٹ بنگال

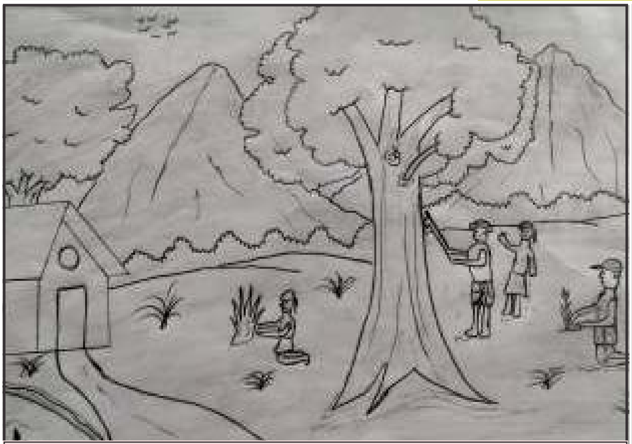

سرفراز عالم، درجہ ہشتم، دارالہدیٰ اکیڈمی، ویسٹ بنگال

اقراء مشیم الدین خان، درجہ ششم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

زیبا نجم الہدیٰ، درجہ ہشتم
سی بی ایس ای پبلک اسکول، گوپال گنج، بہار

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

cPpk dh nfu ;k ekfl d]fl rcj 2023] o'k 11] vd 09
BACHON KI DUNIYA Monthly, September 2023 Vol. 11, Issue: 09
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/08/2023
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

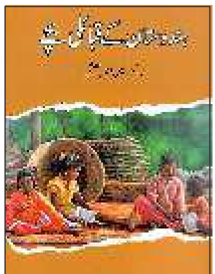
صفحات: 57 ، قیمت: 20روپے

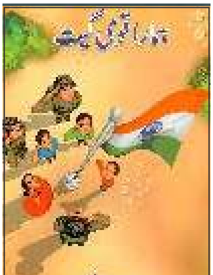
صفحات: 58، قیمت: 20 روپے

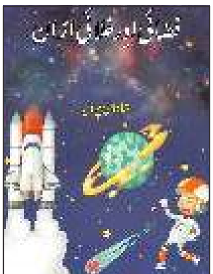
صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

صفحات: 20، قیمت: 20 روپے

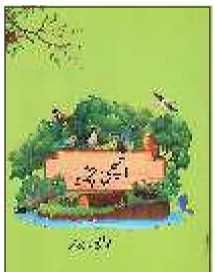
صفحات: 42، قیمت: 29 روپے

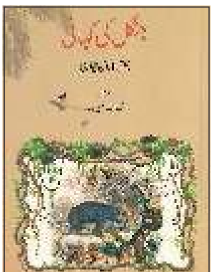
صفحات: 118، قیمت: 30 روپے

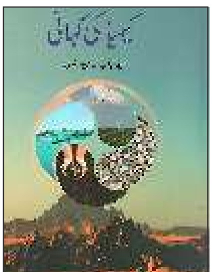
صفحات: 120، قیمت: 30 روپے

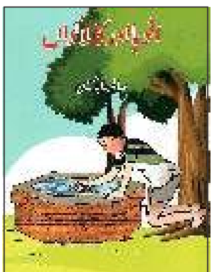
صفحات: 26، قیمت: 15 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6